ماہنامہ

میثاق

لاہور

شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ - جون ۱۹۸۱ء

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے شمالی امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات کی آخری قسط اور جنوبی ہند کے دورے کے ''رپورتاژ'' کی پہلی قسط شامل ہے - (مرتب)

مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون : ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳

چندہ سالانہ : -/۲۰ روپے

اس شمارے کی قیمت -/۲

وَلَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِين

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳۰ | شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ ۔ مطابق جون ۱۹۸۱ء | عدد ۶

مشمولات

صفحہ

● عرض احوال — جمیل الرحمٰن — ۱

● شمالی امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات
دوسری و آخری قسط — ڈاکٹر اسرار احمد — ۲

● ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن (رپورتاژ) — قاضی عبدالقادر — ۴۰

مرتب ــــــــــــ (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید پریس ۔ شارع فاطمہ جناح ۔ لاہور

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

گذشتہ شمارہ جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۸۱ء کے مشترکہ شمارے پر مشتمل تھا۔ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطابق جون ۱۹۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس شمارے میں "اسلام اور حقوق اطفال" اور "تعارف الکتاب" کی اقساط شامل نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ "امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات" کی آخری قسط کافی طویل ہو گئی تھی نیز فروری ۱۹۸۱ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جنوبی ہند کے دورے کے "ریویو تاثر" کی پہلی قسط بھی طویل تھی۔ یہ دونوں مضامین ضروری تھے لہٰذا شامل اشاعت ہیں۔

شمالی امریکہ کا دورہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تیسری بار ۲۱-۲۲ اگست کی درمیانی شب کو شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ جیسا کہ ناظرین میثاق کو علم ہے کہ الحمد و المنہ امریکہ کے مشہور شہر شکاگو اور کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی مقامی تنظیمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے گذشتہ سال کے دورے پر قائم ہو گئی تھیں۔ موجودہ دورہ ان ہی انجمنوں اور تنظیموں کے اشتراک و تعاون سے منظم کیا گیا ہے۔ شکاگو اور ٹورنٹو میں تو دروس قرآن حکیم اور خطاباتِ عام کا انتظام ہو گا ہی — توقع ہے کہ ان شاء اللہ امسال چند دوسرے نمایاں شہروں میں بھی یہ انتظامات ہوں گے اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت امسال شمالی امریکہ میں انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی چند دیگر ذیلی شاخیں قائم ہو جائیں — دعا ہے کہ اس براعظم میں دعوتِ رجوع الی القرآن اور اعلائے کلمۃ اللہ کے جو پودے لگے ہیں اور جو بیج بکھیرے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آبیاری فرمائے اور یہ پودے تن آور درخت بنیں اور دعوت و اعجاز قرآنی کی بدولت اس خطہ زمین کے رہنے والے دینِ حق اسلام سے صحیح طور پر متعارف ہوں اور اس سے ان کے اذہان و قلوب متاثر و مسخر ہو سکیں: وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ — توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز (بقیہ ص ۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات

(خطاب کی دوسری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

یہودیوں کے خلاف ردِّ عمل

امریکہ کے نیگروں کی اکثریت میں چاہے وہ عیسائی ہوں چاہے مسلمان عام طور پر یہ احساس بڑی شدت سے ابھر رہا ہے کہ چند لاکھ یہودیوں کی وجہ سے امریکی حکومت نے بارہ کروڑ عربوں کی نفرت مول لے رکھی ہے۔ پھر یہ نفرت عربوں تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے عام مسلمانوں کے دلوں میں حکومتِ امریکہ کی یہود نوازی اور "اسرائیل" کی سرپرستی کی وجہ سے اس کے خلاف نفرت کے جذبات بڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا اس پالیسی میں تبدیلی آنی چاہیے۔ پھر امریکہ کے گورے باشعور طبقے میں بھی آہستہ آہستہ شد و مد کے ساتھ یہی احساس جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔ گو ابھی اس طرز پر سوچنے والوں کی تعداد قلیل ہے۔ تاہم وہاں بعض معروف اہل قلم کی نہایت مدلل اور مبسوط ضخیم کتابیں ان موضوعات پر مارکیٹ میں آ رہی ہیں اور پھیل رہی ہیں۔ امریکی معاشرہ سیاسی طور پر کافی باشعور ہے۔ وہ اپنے نفع نقصان کو مقدم رکھتا ہے۔ یہ مصنفین مستحکم دلائل سے امریکی معاشرے کو اس امر کا قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امریکی حکومت کی یہود نوازی اور اسرائیل کی بے جا حمایت بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔ پھر امریکہ میں اپنے مذہب عیسائیت کی طرف بھی رجحان و میلان پیدا ہو چلا ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں بڑی تفصیل اور اسناد کے ساتھ اس ظالمانہ طرزِ عمل کے حالات مذکور ہیں جو یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ روا رکھے تھے۔ ان کتابوں میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ان کے عقیدے کے مطابق مصلوب

کئے جانے میں پوری سازش اور عمل دخل یہودی علماء ہی کا تھا۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کا اثر قبول نہ کریں !! یہ صحیح ہے کہ امریکہ کی حکومت پر یہودیوں کا کافی اثر و رسوخ ہے اور ذرائع ابلاغ عامّہ کے ذریعے انہوں نے امریکی رائے عامّہ کو بڑی حد تک متاثر کر رکھا ہے۔ لیکن تا بکہ !! اس کا امکان بہرحال موجود ہے کہ چند سالوں کے اندر اندر امریکہ میں بھی وہی صورتِ حال پیدا ہو جائے جو ہٹلر کے دورِ حکومت میں جرمنی میں ہوئی تھی کہ وہاں دس سالوں کے اندر اندر (چھ لاکھ سے زائد یہودی بڑے بہیمانہ انداز میں قتل کئے گئے اس طور پر کہ ان کی لاشوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ کیا عجب ! یہی صورتِ حال چند سالوں بعد امریکہ میں بھی پیدا ہو جائے۔!!

یہودیوں کے بارے میں قرآن کا فیصلہ

آپ جانتے ہیں کہ اس بات پر پوری امّت کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں "المَغضُوبِ عَلَیھِمْ" سے مراد یہود ہیں یہ اجماعِ امّت قرآن مجید ہی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ جس کے متعلق یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ "اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ چنانچہ مغضوب علیہم کی تفسیر کئی مقام پر خود قرآن نے یہی کی ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں۔ سورۃ بقرہ میں یہود کے بعض جرائم کا ذکر کر کے فرمایا: وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ وَالْمَسْکَنَۃُ ق وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ط "(آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ) ان پر ذلت و خواری اور پستی و نکبت مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے"۔ (آیت ۶۱) - آگے ان یہود کے متعلق آیت ۹۰ میں فرمایا: فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ط "پس یہ (یہود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے) غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں"۔ مغضوبِ علیھم ہونے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے لئے جس سزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا ہے۔ اس سلسلے کی چند اہم آیات میں آپ کو سناتا ہوں۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴۱ کے آخر میں فرمایا: لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ہ "ان (یہود) کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا"۔ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۲ میں

یہود کے لئے اس سزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا گیا : ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ط وہ یہ (یہود) جہاں بھی ہوں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے بس اگر کہیں اللہ کے دئے یا انسانوں کے دئے میں پناہ مل گئی (تو یہ اور بات ہے) یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر پست ہمتی اور مغلوبیت مسلط کر دی گئی ہے۔" کم و بیش تقریباً ڈھائی ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اس پورے دور میں یہود دنیا میں ذلت و مسکنت کا نشانِ عبرت بنے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت ارضِ شام میں یہودیوں کی جو دو ریاستیں موجود تھیں وہ رومیوں کے زیرِ نگیں تھیں۔ ان کی وہی حیثیت تھی جو انگریزی حکومت کے دور میں ہندوستان میں حیدر آباد یا اسی پائے کی چند دوسری ریاستوں کو حاصل تھی۔ بعدہٗ جب رومیوں نے عیسائیت قبول کی تو یہ ریاستیں بھی ختم ہو گئیں اور عیسائی دُنیا میں ان پر زندگی تنگ ہو گئی اور غلاموں سے بھی زیادہ بدتر حالات سے یہ دوچار ہوئے۔ ظہورِ اسلام کے بعد ان کو اگر امان اور سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے مواقع ملے تو وہ اسلامی مملکت میں ملے۔ جس کو قرآن مجید نے بحبل من اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

یہودیوں کا مستقبل

اس زمانے میں یہود کی جو نام نہاد ریاست "اسرائیل" ارضِ فلسطین میں قائم ہے تو وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ برطانیہ کی مدد سے قائم ہوئی اور فی الوقت خاص طور پر امریکہ کے سہارے پر کھڑی ہے۔ ۱۹۷۳ء کی مصر و اسرائیل کی جنگ میں اگر امریکہ مسلح مداخلت نہ کرتا تو اس کا امکان موجود تھا کہ "اسرائیل" کا نام دُنیا کے نقشے سے محو ہو جاتا۔ یہ تعبیر ہے بحبل من الناس کی — لیکن جیسا کہ میں اپنی تقریر کے ابتدائی حصے میں بیان کر چکا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے حق میں عذابِ استیصال کی سنۃ اللہ کے پورے ہونے کا وقت قریب ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر یہودی ارضِ فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور

ان کی زیرِ قیادت یہودیوں کو عذابِ استیصال کا مزا چکھایا جائے گا اور ان شاء اللہ ان کی یہ مجتمع قوت یک لخت ختم ہو جائے گی اور ان کا دنیا میں نام و نشان ہی باقی رہ جائے گا جیسے دوسری معذب اقوام (عاد و ثمود وغیرھا) کا نام یا ان کے تمدن کے کچھ کھنڈرات سامانِ عبرت کے طور پر باقی ہیں۔

یہودیوں پر ابدی لعنت

میں آج کی اس تقریر کے لئے سورہ اعراف کی آیت (نمبر ۱۶۷) نوٹ کر کے لایا تھا۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ "اور یاد کرو جب کہ تیرے ربّ نے فیصلہ کیا اور اس کا اعلان کیا کہ وہ قیامت تک برابر ان (بنی اسرائیل) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے۔ بے شک آپ کا رب جلد اور سخت سزا دینے والا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔" اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی عملی شہادت تاریخ میں موجود ہے۔ بنو خذ نصر اور ٹائٹس رومی کے ہاتھوں ان کو جس ہلاکت خیزیوں سے سابقہ پیش آیا ہے اس کی لرزہ خیز داستان تاریخ میں آپ کو مل جائے گی۔ پھر بابل نینوی سلطنت اور ہسپانوی عیسائی حکومت کے ہاتھوں ان کی مسلسل جو درگت بنتی رہی ہے، تاریخ کے اوراق اس کے گواہ ہیں۔ جرمنی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد خصوصاً ہٹلر کے دورِ حکومت میں ان پر جو کچھ بیتی ہے۔ وہ دُور کی نہیں بلکہ ہمارے دور ہی کی بات ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ان کو وقفے وقفے سے جو امان ملتی رہی ہے وہ یا تو بحبل من اللہ ملی ہے یا بحبل من الناس۔ یہ عارضی امن ان کے اس انجام بد کو نہیں ٹال سکے گا۔ جو ان کا مقدر ہو چکا ہے اور ارضِ مقدس میں ان کا اجتماع آخری عذاب کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آخری انجام سے قبل ان کو خود امریکہ ہی میں خود اپنے ہی خواہوں ہی کے ہاتھوں ایک مزید عذاب کا مزا چکھنا پڑے

ہمارے لئے عبر و بصائر

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ...
"میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے"، تو واقعہ یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں ذلیل وخوار رہے ہیں۔ آج اسی طرح ہم بھی ان ہی کرتوتوں کی بدولت جو یہودیوں کی خصلت وعادت بن چکی ہے دنیا میں سامان عبرت بنے ہوئے ہیں۔ ہم بھی اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں کے ارتکاب میں یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور اپنی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے راندۂ درگاہ رب العزت ہوئے اور ہم بھی ان کے طرزِ عمل کی تقلید کرتے ہوئے اسی مقام ذلت ومسکنت تک پہنچ چکے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے ہمیں یہ روزِ بد دیکھنا پڑا کہ "بیت المقدس" ہم سے اس مغضوب علیہم قوم کے ہاتھوں چھن گیا اور ۱۹۶۷ء سے یہ آج تک اُسی کے قبضے میں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق مستقبل میں یہودی قوم کو عذابِ استیصال کا نوالہ بننا ہوگا اور اسلام کو عروج حاصل ہوگا۔ لیکن سوال اس وقت دنیا میں بسنے والے تقریبًا ایک ارب مسلمانوں کے انجام کا ہے۔ جن کا حال یہ ہے کہ خدا پرستی کے بجائے دنیا پرستی ان کا مطمح نظر اور نصب العین بن چکی ہے اور وہ اپنے کردار، سیرت اور اخلاق کے اعتبار سے یہودیوں کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ میرا تاثر تو یہ ہے کہ یہودیوں کو اس وقت اپنے مذہب اور اپنی نشأۃ ثانیہ سے جو قلبی تعلق ہے، ہمارا بحیثیت اُمت اپنے دین سے تعلق ان کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ ــ وہ متحد ہو رہے ہیں، ان میں، بکمال ایثار و قربانی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ افتراق وانتشار اور تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہو جہاں ہم دین کے احیاء اور اس کی نشأۃ ثانیہ اور اس کی دعوت وتبلیغ کے لئے متحد نظر آتے ہوں۔ خود امریکہ میں یہ حال ہے کہ وہاں دعوت وتبلیغ کا کوئی متحد پلیٹ فارم نہیں۔ بہت سے ادارے ہیں لیکن ان میں اشتراک و (CO - ORDINATION) کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے رجحانات موجود ہیں۔ بَغْیًا بَیْنَهُمْ والی سی کیفیت ہے۔

حق اور روحانیت کی پیاس

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ "ہر انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو اس کے والدین ہوتے ہیں جو اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں"۔ یعنی والدین کی تربیت، ماحول کی گرفت، تعلیم کے اثرات اور قومی و نسلی تعصبات اس فطرت سلیمہ کو مسخ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے انسان کے قلب اور اس کی فطرت میں اپنی معرفت کی چوچنگاری رکھی ہے، وہ یا بالکل بجھ جاتی ہے یا باطل نظریات کی راکھ تلے دب جاتی ہے۔ لیکن اگر صحیح نہج اور سنتِ رسولؐ کے مطابق دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جائے تو اللہ تعالےٰ لوگوں کے قلوب کو قبولِ حق کی توفیق عطا کرتا ہے۔ آج پوری دُنیا مادّہ پرستانہ باطل نظریات، افکار اور غلط آشنا تہذیب و تمدن کے بوجھ تلے کراہ رہی اور سسک رہی ہے۔ آج اس کی روح کی پیاس جاگ رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اپنے سلفِ صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے اور بے نفسی کے ساتھ اور حکمت قرآنی کے مطابق دین کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے اور پھر ان داعیان و مبلغین کی دعوت و تبلیغ کی پشت پر ان کے اعلیٰ کردار و اخلاق کی قوت بھی ہوتی تو یورپ اور امریکہ میں اس دینِ حق کو قبول کرنے کے مواقع موجود ہیں وہاں یہ دعوت جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چونکہ یہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن ہم اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے تغافل اختیار کئے ہوئے ہیں امریکہ میں بدھ مت اور ہندومت کے ماننے والوں نے وہاں اپنے آشرم بنائے ہیں اور ان آشرموں کے ذریعے اپنے دھرم کی تبلیغ کرنے والے اپنے قول کی زندہ تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی زندگیاں سادگی کا مظہر اور دنیوی عیش و آرام سے مبرّا نظر آتی ہیں ان میں کسر و انکسار ہے۔ دنیا سے بے رغبتی ہے۔ لہٰذا امریکی اس طرف لپک رہے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی روح پیاسی ہے۔ جس کی تشنگی دُور کرنے کا کچھ نہ کچھ امکان ان فلسفوں میں ان کو نظر آتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے رُوح کی تشنگی کو سیراب کرنے کا حقیقی و فطری راستہ صرف دینِ اسلام ہے۔ جو رُوح کی تشنگی بجھانے کے ساتھ انسان کو ایک اعلیٰ کردار و اخلاق کا عملی

پیکر بناتا ہے۔ لیکن وائے حسرتا! ہم آج خود ہی دین کی حقیقی تعلیم سے نابلد ہیں اور محض موروثی اسلام پر مطمئن ہیں (الا ماشاءاللہ) ہم خود ہی آج اسلام کی دعوت و تبلیغ کے محتاج ہیں۔ بھلا دوسروں کو دعوت دینے کا کیا سوال! تاہم جو لوگ نقل وطن کرکے یا ملازمت وکاروبار یا حصول تعلیم کے لئے امریکہ گئے ہیں وہ اپنے کردار و اخلاق کے لحاظ سے واقعی مسلمان ہوتے۔ یا جو ادارے وہاں اشاعت اسلام کے لئے قائم ہیں، ان کے منتظمین اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بہتر نہج اختیار کرتے تو آج امریکہ میں اسلام کی اشاعت بہت بڑے پیمانے پر نظر آتی۔ اس کا مطلب یہ نکالئے گا کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا سرے سے کوئی کام نہیں ہو رہا۔ کام ہو رہا ہے لیکن اس میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ اور سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کے کام کرنے والے تمام اداروں اور اشخاص میں اشتراکیت و تعاون اور اتحاد (CO-ORDINATION) ہو۔ وہاں اداروں کے ساتھ کسی سیاسی جماعت کے نظریات یا کسی فقہی مسلک سے وابستگی کے جو لاحقے لگے ہوئے ہیں، وہ دعوت و تبلیغ کی راہ کے سنگ گراں ہیں۔ وہاں تو دعوت و تبلیغ کا وہ اسلوب اور نہج ہونا چاہیئے جس کی طرف قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔

قرآنی ہدایات

اہل کتاب کو حکیمانہ طریقے پر دعوت دینے کے لئے قرآن نے ہمیں ہدایات دی ہیں۔ اتنا موقع نہیں کہ میں ان تمام ہدایات کو کماحقہٗ بیان کرسکوں۔ صرف ایک حوالے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ آل عمران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرمایا گیا: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ "اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب، اس چیز کی طرف آؤ ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب ٹھہرائے۔" (آیت ۶۴) یہ طریقہ حکیمانہ بھی ہے اور موثر بھی۔ اعتقادی طور پر

توحید کا عقیدہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان مشترک حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تورات میں دیگر تحریفات ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود نہایت قطعیت کے ساتھ توحید کی تعلیم اب بھی واضح طور پر اس میں موجود ہے۔ البتہ انجیل کا معاملہ گڑبڑ ہے۔ اس میں بہت سی تحریفات کے ساتھ ساتھ توحید کے چشمۂ صافی کو بھی گدلا کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ اب بھی اناجیل اربعہ میں ایسی آیات موجود ہیں جو خالص توحید کی طرف رہنمائی کرتی ہیں مثلاً مرقس میں مذکور ہے "یسوعؑ نے (کسی سائل کو) جواب دیا کہ اوّل (بات) یہ ہے کہ اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے"۔ تثلیث اور کفارے کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑی دلسوزی اور حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام کی دعوتِ توحید امریکی معاشرے میں پیش کی جائے۔ قرآن حکیم میں اشارات موجود ہیں کہ اے مسلمانو! تم ان کو اپنے قریب پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، افسوس کہ یورپ میں ہمارے دین کی تبلیغ نہیں ہوئی اس کا نتیجہ ہم آج بھگت رہے ہیں۔ پھر چونکہ یورپ ترکمانِ عثمانی کی فوجی یورش کی زد میں رہا تھا اور ان کے ہاتھوں ہزیمتیں اٹھائی تھیں تو قدرتی طور پر ان کے دلوں میں فاتحین کے دین کے خلاف بھی تعصبات و مخالفت جڑ پکڑ گئے تھے۔ امریکہ میں یہ صورتِ حال نہیں ہے۔ وہاں کام کا بڑا میدان ہے۔

کام کا میدان

امریکی معاشرے کے مشاہدے اور اس کے نفسیاتی جائزے سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس معاشرے میں انسان مشین بن کر رہ گیا ہے۔ مشین میں نہ دل ہوتا ہے نہ حسیات ہوتی ہیں۔ اسی لئے وہاں کا انسان لطیف انسانی جذبات سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں رحمی رشتے بھی محبت و شفقت سے یکسر محروم ہیں (الّا ماشاءاللہ) بوڑھے والدین کو ان کی اپنی حقیقی اولاد بھی پوچھتی تک نہیں۔ دوسرے رشتوں کا کیا سوال! اسی وجہ سے وہاں بڑے بڑے شہروں میں بوڑھوں کے ہوسٹل قائم ہیں۔ وہاں خاندان اور اس سے متعلقہ روابط اور محبتیں اب ایک داستانِ پارینہ بن چکی ہیں۔ ان حالات میں شعوری اور غیر شعوری طور پر وہاں ایک ایسے

نظامِ حیات کی پیاس پیدا ہو رہی ہے جو معتدل و متوازن ہو۔ جس میں رُوح کی تسکین کا بھی کما حقہ سامان ہو اور انسانی تہذیب و تمدن کے تمام داعیات کی جائز تسکین کا بھی ۔ جس میں انسان کو ایک اعلیٰ اور با اخلاق انسان بنانے کی صلاحیت ہو۔ جس میں حق ہو، انصاف ہو، عدل ہو، قسط ہو۔ فرائض و حقوق کا منصفانہ امتزاج ہو۔ جس میں عبادات ہی کا نہیں عمرانیات کے تمام شعبوں کے لئے بھی عادلانہ و منصفانہ نظام ہو۔ جو ایسا نظام ہو جو عقل و فہم اور قلب و نظر کو مطمئن اور قائل کرنے والا ہو۔ یہ نظام موجود ہے منزّل من اللہ ہے۔ یہ ہے ہمارا دین اسلام۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ چند درویش صفت لوگ جو ہر لحاظ سے اسلامی تعلیمات کا عملی پیکر ہوں۔ وہاں جاکر مستقل ڈیرہ لگالیں۔ وہاں دونوں طبقوں، گوروں اور کالوں میں کام کا میدان موجود ہے۔

اہم ترین ضرورت آج امریکہ میں اسی بات کی ضرورت ہے۔ کہ کچھ درویش صفت اللہ کے بندے دعوت و تبلیغ کے لئے خود کو وقف کر دیں اور وہاں جاکر بیٹھ جائیں۔ مجھے اس وقت بار بار حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ یاد آرہے ہیں۔ جو کفر کے گڑھ میں آئے اور جم کر بیٹھ گئے۔ اس عزم کے ساتھ کہ اب ان کا جینا مرنا اسی کفرستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ ان کی زندگی کے شب روز ان غیر مسلموں کے سامنے ہیں۔ وہ سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان کے مشاغل کیا ہیں۔ ان کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ ان کے مقاصد کیا ہیں۔ یہ یہاں روپیہ تو کمانے نہیں آئے کہ یہاں سے کما کما کر اپنے گھر والوں کو بھیج رہے ہوں۔ اپنا معیار زندگی بہتر بنانے کی دھن تو ان پر مسلط نہیں ہے۔ یہ یہاں کسی دنیوی غرض کے لئے تو نہیں آئے!! اس کے برعکس جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص انسان دوست ہے، لوگوں سے محبت کرنے والا ہے۔ ان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے۔ اپنے وطن سے دور یہاں اس لئے آیا ہے کہ اس پر لوگوں کی آخرت سنوارنے کی دھن مسلط ہے۔ درویش اور عابد و زاہد ہے۔ بے غرض ہے اور صرف اپنے معبود کی رضا کا طالب ہے تو ظلمت کدہ ہند میں خواہ اجمیریؒ کی اس قول و عملی تبلیغ کے جو نتائج نکلے وہ آج ہمارے

سامنے ہیں ——— برصغیر پاک و ہند میں آج اسلام کی جو روشنی نظر آ رہی ہے وہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے سینکڑوں اُن صوفیاء کرامؒ کی مساعی جلیلہ کا ثمرہ ہے جو خالصتاً دعوت و تبلیغ دین کے لئے برصغیر پاک و ہند میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ایک جگہ مستقل اور جم کر بیٹھ گئے۔ جن کی زندگیاں ان کی دعوت کی علمبردار اور مُنہ بولتی تصویریں تھیں — اس کے برعکس ہمارا دعوت و تبلیغ کا نظام انتہائی ناقص اور شدید اصلاح کا محتاج ہے۔ ہمارا یہ طریقہ کہ ہمارے مبلغین وہاں گئے دو مہینے صرف کئے اور چلے آئے یا یہ کہ ہمارے تبلیغی بھائی جماعتیں لے کر گئے چلّہ کاٹا پانچ چھ شہروں کا چکّر لگایا اور واپس چلے آئے۔ یہ طریقہ زیادہ مفید مطلب نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے آپ کو خوش اور مطمئن کر لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح وقت، قوت، صلاحیت اور دولت کا جو مجموعی سرمایہ صرف ہوتا ہے۔ اس کے لحاظ سے میری رائے یہ ہے کہ مفید نتائج نکلنے کا تناسب انتہائی قلیل ہے۔ میرے نزدیک صحیح طریقہ وہی ہے جس پر عمل پیرا ہوئے برصغیر پاک و ہند میں ہمارے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔ میں یہ نہیں کہتا کہ محض گشت کے لئے آمد و رفت کا یہ سلسلہ خیر سے بالکل خالی ہے۔ راہ میں پڑا ہوا کوئی پتھر اور روڑا ہٹا دینا بھی نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ بھی کوئی نہ کوئی مفید اثر چھوڑتا ہے۔ لیکن وقت اور حالات اور ہمارے سلف صالحین کا طریقہ اس امر کا مقتضی ہے کہ امریکہ میں ایسے دعوتی اور تبلیغی مراکز قائم ہوں، جیسے ہمارے صوفیاء کرامؒ نے برصغیر پاک و ہند میں قائم کئے تھے۔ اسی طریقے سے ان شاء اللہ نہایت ہی مفید اور مستحکم نتائج برآمد ہوں گے — اس کا ایک موثر و مفید ثمرہ تو یہ حاصل ہو گا کہ وہاں جو مسلمان (IMMI GRANTS) مہاجرین آباد ہیں۔ ان میں مسلسل دعوتی کام ہو سکے گا ان کا اپنے دین سے تعلق قائم رہے گا اور وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکیں گے۔ ان کی اولاد پر بھی اس کے اچھے نتائج مترتب ہوں گے اور دوسرا مفید نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں کے باشندوں گوروں میں بھی اور کالوں میں بھی براہ راست اور

ان مسلمان مہاجرین کے توسط سے دعوت و تبلیغ کے بہتر اور مسلسل مواقع حاصل ہوں گے جو مستقبل کے لئے ایک سرمایہ (Assets) ثابت ہوں گے۔

چند ناگوار مشاہدات

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ امریکہ نقل مکان کرنے والوں کا ملک ہے۔ اس نقل مکانی کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ دنیا کے مختلف حصّوں سے لوگ امریکہ اور کناڈا جاکر مستقل طور پر آباد ہو رہے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی بھی اچھی بھلی تعداد ہے۔ ان مسلمانوں میں وہ بھی ہیں جو تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تر لوگ عرب اور ترکی سے آئے تھے۔ پھر مسلمانوں میں وہ لوگ ہیں جو قیام پاکستان کے بعد مختلف اسباب کی وجہ سے بھارت اور پاکستان سے نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ میں بڑے دکھ کے ساتھ اپنے اس مشاہدے اور تاثر کا اظہار کرتا ہوں کہ ان پہلے یا بعد میں یا حال میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہونے والے مسلمانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ وہاں کے کالے مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود بھی اصل امریکنوں کے نزدیک کالے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان کو کالے مسلمانوں سے میل جول پسند نہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھنے کو تیار نہیں۔ ان کے ساتھ نفرت کا سا برتاؤ ہے۔ جیسے رنگت کی بنیاد پر متعصّب ذہنیت کے امریکن روا رکھتے ہیں۔ یہ طرزِ عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس کا ردِّ عمل کالے مقامی مسلمانوں میں موجود ہے۔ ان کے ایک ردِّ عمل کا میں پہلے بھی اجمالاً ذکر کر چکا ہوں جو مہاجر مسلمانوں کی خواتین کے بے حجابی کو دیکھ کر ان میں نظر آتا ہے۔ ایک ردِّ عمل اس بے اعتنائی کی وجہ سے بھی وہاں کے مقامی کالوں میں نظر آتا ہے وہ برملا کہتے ہیں کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جو ہم کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے دینی بھائی ہیں۔ میرے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کالے نومسلموں نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے لئے ان کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں تو مجھے مہاجر مسلمانوں کے رویّے سے کافی دلی صدمہ پہنچا۔ ایسی ایسی مثالیں میرے سننے میں آئیں جس سے قرنِ اوّل کی یاد دل میں تازہ ہو گئی۔ جن نیگرو نوجوانوں نے اسلام قبول

کیا تو ان کے عیسائی والدین نے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ ایسے نوجوان بھی تھے، جن کو طویل عرصے تک گھروں میں بند رکھا گیا اور ان کو بھوکا پیاسا رکھنے کی سزا دی گئی۔ جسمانی اذیتیں بھی دی گئیں۔ کچھ نوجوان نومسلموں کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن ان تمام مظالم و مصائب کو ان نومسلموں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اسلام پر جمے رہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان نیگرو نومسلموں پر ان کے اپنے بھائی بندوں کے علاوہ سفید فام امریکنوں نے بھی جور و ستم کے طرح طرح سے پہاڑ توڑے ہیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ کوئی بھی اس دین سے نہیں پھرا جس کو انہوں نے قبول کیا تھا۔ البتہ چند ایسے واقعات بھی ہوئے کہ ان نومسلموں میں سے کچھ جوشیلے نوجوانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ لیکن ایسا شاذ ہی ہوا ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمارے مہاجر مسلمان بھائی آگے بڑھ کر ان نومسلموں کو گلے لگاتے، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے۔ ان کو اپنی سوسائٹی میں جذب کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہاں اس اہم ضرورت کی طرف کوئی خصوصی توجہ نہیں دی گئی اگر کما حقہٗ اس طرف توجہ دی جاتی تو اس کے بہت خوشگوار اثرات وہاں کی نیگرو آبادی پر پڑتے اور ان کو محسوس ہوتا کہ اگر ہم اسلام لانے کی وجہ سے اپنی سوسائٹی سے کٹیں گے تو دوسری سوسائٹی موجود ہے جو ہمارا خیر مقدم کرے گی اور ہم کو خوش آمدید کہے گی۔ اس طرح ان نیگروؤں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد اُس سے کہیں زیادہ ہوتی جو آج موجود ہے — مجھے جہاں بھی تقاریر کا موقع ملا ہے، میں نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور اُن سے استدعا کی ہے کہ ان میں اور نیگرو نومسلموں میں جو بُعد اور بے تعلقی ہے اس کو ختم کرنے کی فکر کیجئے۔ یہ کام بھی ان شاء اللہ اشاعتِ اسلام میں ممد و معاون ثابت ہوگا۔

مہاجر مسلمانوں کے مختلف طبقات

مشرق سے یورپ جانے والوں میں گذشتہ جنگِ عظیم دوم سے قبل جاکر آباد ہونے والوں میں اعلیٰ سوسائٹی اور تعلیم یافتہ افراد کی اکثریت تھی۔ لیکن جب ۱۹۳۹ء کی جنگ کے نتیجے میں یورپ خاص طور پر برطانیہ

میں محنت کشوں اور مزدوروں کا قحط پڑا جبکہ ان کو اپنی فیکٹریوں اور اپنی صنعتوں کو از سرِ نو بحال کرنے کی ضرورت لاحق تھی تو انہوں نے مشرق سے آنے والے محنت کشوں کی پذیرائی کی چونکہ ان کو محنت کشوں کی ضرورت تھی اور مشرق کے لوگ ان کو مقامی مزدوروں کے مقابلے میں سستی اور کم اُجرت پر ملنے لگے تھے۔ چنانچہ مختلف ممالک سے مزدور طبقے کے لوگ یورپ کے مختلف ممالک میں پہنچنے لگے پھر ان کے قرابت داروں میں سے بھی ہر طرح کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور اس طرح تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کی کوئی قید نہیں رہی۔ لیکن امریکہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہاں مشرقی ممالک سے نقل مکانی کرنے والے تعلیم یافتہ لوگ یا مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ذوق وشوق رکھنے والے افراد ہی پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں ان میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ میرے مشاہدے کے مطابق وہاں مستقل تو آباد مسلمان تین نمایاں طبقات میں منقسم ہیں۔

پہلا طبقہ : یہ طبقہ ان مہاجرین (IMMIGRANTS) پر مشتمل ہے جو خود یا ان کے آباؤ اجداد آج سے تقریباً چالیس اور ساٹھ سال عرصے قبل کے زمانے میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تعداد مشرق وسطیٰ اور ترکی کے مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ یہ تعلیم یافتہ اور متوسّل افراد تھے۔ لیکن اب اس طبقے کی عظیم ترین اکثریت امریکی معاشرے اور اس کی تہذیب میں جذب ہو چکی ہے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ ان کا اسلام سے برائے نام بھی تعلق باقی نہیں ہے ان میں اور ایک امریکی میں آپ کو کوئی فرق و امتیاز نظر نہیں آئے گا۔ بے حیائی اور عریانی اور اسی نوع کے دوسرے تمام مذموم افعال جو خدا ناآشنا اور آخرت سے غافل لوگوں کے لئے "پسندیدہ اور مہذب" افعال کا درجہ رکھتے ہیں، ان میں، یہ لوگ بالکلیہ ملوّث نظر آتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہاں اسلامی نام تک تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب یوسف کا نام جوزف سے، یعقوب کا جیکب سے اور اسحٰق کا آئزک سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی اولاد کو سرے سے معلوم ہی نہیں کہ "اسلام" کسے کہتے ہیں!۔ ان سے اسلام کے متعلق کچھ گفتگو کیجئے تو بس وہ اتنا کہیں گے۔ کہ Oh yes

"ہاں ہاں! my father is (or was) a Muslim
میرا باپ مسلم ہے یا تھا"۔ اس سے زیادہ وہ اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ جاننے کی کوئی خواہش ان میں نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کے اس طرزِ عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ وہ جب امریکہ پہنچے تو ان کی تعداد ایک تو بہت کم تھی پھر کسی ایک شہر میں مقیم ہونے کی بجائے وہ امریکہ جیسے وسیع وعریض ملک میں منتشر ہو کر آباد ہوئے ان کے لئے اس معاشرے کے دباؤ کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ لہٰذہ وہ چاروناچار اس معاشرے میں جذب ہو گئے اور اس رنگ میں پوری طرح رنگ گئے اور اس طرح اپنی دنیا بنانے کی خاطر آخرت کے خسارے قبول کر لیا۔ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۙ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۙ

دوسرا طبقہ : یہ طبقہ اُن افراد پر مشتمل ہے جو قیامِ پاکستان کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے حالات کو اپنے مستقبل کے لئے سازگار نہ پا کر نقل مکانی کر کے امریکہ میں مستقل طور پر جا کر آباد ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑا قیمتی طبقہ ہے جو وہاں گیا ہے۔ علمی و ذہنی اور اسلامی فکر کے لحاظ سے ہمارا بیش بہا سرمایہ وہاں منتقل ہو گیا ہے۔ ان کے نقل مکانی سے پاکستان کے Brain Trust کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور اس معیار کے لوگوں کی منتقلی سے مسلسل پہنچ رہا ہے۔ اس بات کی میں آگے کچھ شرح کروں گا۔ اس طبقے میں وہ لوگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن میں سے اکثر لوگ تقسیم ہند کے موقع پر یا اس کے بعد چار پانچ سال کے عرصے میں پاکستان آنے کے بجائے ہندوستان ہی سے براہِ راست یورپ یا امریکہ نقل مکانی کر گئے۔ ان میں سے بھی زیادہ تر لوگوں نے امریکہ کا رُخ کیا۔ ان میں اکثریت حیدرآباد دکن، جنوبی ہند، صوبہ بہار اور مشرقی یوپی کے ان اضلاع کے لوگوں کی ہے جو صوبہ بہار سے ملحق ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں کے مسلمانوں میں تعلیم کا اوسط دوسرے علاقوں سے بہتر تھا۔ جہاں ذہانت وفطانت بھی زیادہ تھی اور دین و مذہب سے تعلق بھی مقابلتاً گہرا اور مضبوط تھا۔ حیدرآباد دکن کے لوگ صاحبِ ثروت بھی تھے۔ ان کی اپنی تہذیب تھی جس پر اسلامی رنگ غالب تھا۔ ان کی یونیورسٹیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی

کی تعلیم بھی اردو میں ہوتی تھی - وہاں اردو میں دینی معلومات کا بڑا قیمتی سرمایہ موجود تھا - ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ العالی اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے ہیں جو عرصہ دراز سے مستقل طور پر پیرس میں مقیم ہیں اور علمی سطح پر دین کیلئے بڑا اعلیٰ وارفع کام کر رہے ہیں وہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے پورے عالم اسلام اور خاص طور پر یورپ میں مشہور ومعروف ہیں - اس دور میں جو چوٹی کے اہل علم ہندوستان میں پیدا ہوئے، ان میں میرے نزدیک ڈاکٹر حمید اللہ کا نام نامی بہت سے اعتبار سے بہت اونچا ہے - ڈاکٹر میر ولی الدین مرحوم ومغفور بھی اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو نور سے بھرے اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے جن کی قرآن مجید اور اسلامی تصوف وفلسفے پر انگریزی زبان میں چھوٹی چھوٹی کتابیں یورپ میں قبول عام حاصل کر رہی ہیں - صوبہ بہار اور اس سے ملحق مشرقی یوپی کے اضلاع بھی بڑے مردم خیز علاقے رہے ہیں - اسلامی منطق اور فلسفے کے چوٹی کے لوگ اسی علاقے سے تعلق رکھنے والے تھے - عظیم آباد (پٹنہ) اور اعظم گڑھ ہمارے دینی علم کے لحاظ سے ہماری تاریخ میں نمایاں حیثیت کا مقام رکھتے ہیں - چنانچہ امریکہ میں بھارت سے براہ راست نقل مکانی کرنے والوں میں حیدر آباد اور صوبہ بہار اور اس سے ملحق علاقوں سے تعلق رکھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے - ان کے اندر اپنے دین سے گہرا شغف تا حال قائم ہے - ان میں کام کرنے کی لگن اور جذبہ بھی موجود ہے - اسی طبقہ میں ان لوگوں کو بھی شامل سمجھئے جو پاکستان آئے - زیادہ تر کراچی میں آباد ہوئے جن کو مہاجرین کہا جاتا تھا - ان کے ذہین وفطین افراد نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ہمارا پاکستان میں کوئی مستقبل نہیں ہے - خاص طور پر پچھلے جو دس گیارہ سال گزرے ہیں - اس میں علاقائی قومیت اور عصبیت کا جو سر ابھارا ہے - اس کو سامنے رکھئے - اسی عصبیت کی وجہ سے پاکستان دولخت ہوا اور مشرقی پاکستان "بنگلہ دیش" بن گیا - یہ علاقائی قومیت اور عصبیت پاکستانی اُمّتِ مسلمہ کے اتحاد اور وحدت کے لئے سمِّ قاتل ہے - بھٹو صاحب کے دور میں یہ فتنہ مزید ابھرا اور باقاعدہ تحریکیں اُٹھنے لگیں اور نعرے لگنے شروع ہوئے کہ سندھ سندھیوں کا، پنجاب پنجابیوں کا - بلوچستان بلوچیوں کا اور سرحد

پختونوں کا، جب 'Son of the Soil' کا یہ تصور ابھرا اور جڑ پکڑنے لگا تو مہاجرین کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کو اپنا مستقبل یہاں تاریک اور غیر محفوظ نظر آنے لگا اور حالات نے ان لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہم "پناہ گیر" ہیں 'Son of the Soil' تو نہیں ہیں۔ جب پچاس ساٹھ سال قبل پنجاب سے آکر سندھ میں بسنے والے ابھی تک غیر مقامی متصور ہوتے ہیں تو ہم تو شاید یہاں سو سال تک بھی "مقامی" نہ بن سکیں گے اور مہاجر بلکہ صحیح معنوں میں "پناہ گیر" ہی رہیں گے ۔ یہ نہ سمجھئے کہ علاقائی عصبیت کے عفریت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ زیر زمین موجود ہے اور فی الوقت مارشل لاء کے خوف سے دبا بیٹھا ہے ۔ ان اسباب کی بنا پر ان مہاجرین نے یہاں سے نقل مکانی ہی میں عافیت سمجھی اور اس طبقے کی اچھی خاصی تعداد یہاں سے نقل مکانی کر گئی اور ان میں سے بھی زیادہ تر افراد نے امریکہ اور کناڈا کا رُخ کیا۔ مشرقی پنجاب سے جو لوگ پاکستان آکر پنجاب یا کسی دوسرے علاقے میں آباد ہوئے ان میں یہ جذبات پیدا نہیں ہوئے چونکہ وہ پہلے بھی پنجابی تھے اور اب بھی پنجاب ہی میں آکر بس گئے تھے۔ دوسرے علاقوں میں گئے تو ضرورت پڑنے پر علاقائی تحفظ ان کو پنجاب میں حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کے ساتھ، مغائرت کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو ان کے لئے کسی خاص تشویش کا باعث ہو۔ اس لئے پاکستان سے جن لوگوں نے نقل مکانی کی ہے ان میں ان ہی علاقوں کے لوگوں کی اکثریت ہے جو ہندوستان کے حصے میں آئے اور جہاں سے دراصل تحریکِ پاکستان کو اصل قیادت اور مضبوط قوت مہیا ہوئی تھی۔ میرا امریکہ اور کناڈا میں اصل رابطہ اسی طبقے کے لوگوں سے رہا ہے۔ میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ یہ طبقہ نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ اس طبقے کی اکثریت میں دین سے تعلق و شغف برقرار ہے۔ اُن کو اپنی نئی نسل کے مستقبل کی فکر ہلکان کئے دے رہی ہے پچاس ساٹھ سال قبل آنے والے مہاجرین کی اولاد جس طرح امریکی معاشرے اور امریکی تہذیب میں رنگ چکی ہے اور اپنا اسلامی تشخص گم کر چکی ہے۔ ان لوگوں کو بھی اپنی اولاد کا یہی انجام بدتصور کی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ: (الحدیث)
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱۱-۱	۳۳۰/-
۲	نظریۂ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۴-۱۳	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (بموقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدی کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۲-۲۱	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰سی، ۹۰-سی)	۲۴-۲۳	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۂ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۷-۲۶	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافت راشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۶۰/۹۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع)، ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا۔تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرآت (۹۰-سی سات کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سُورۃ الحجرات (مکمل)، (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صف و الجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفۂ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخ اُمت مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلب فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی۔پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشرُ القرآن، کیسٹ سیریز لاہور

تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور
فون ۸۵۲۶۱۱ ۸۵۲۶۸۳

تیسرا طبقہ :- یہ اُن پاکستانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اصلاً تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ یا کینیڈا گئے تھے - جن میں مقامی بھی ہیں اور مہاجرین بھی اور مقامیوں میں پنجابی لوگ زیادہ ہیں - لیکن جن کو امریکی معاشرہ اتنا دل آویز معلوم ہوا کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے - انہوں نے جب محسوس کیا کہ ان کے پاس جو تعلیمی ڈگریاں ہیں ان کی امریکہ میں جو قدر و قیمت ہے اور ان کے عوض یہاں جو آسائشیں ان کو میسر آ سکتی ہیں ان کا پاکستان میں میسر آنا ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہے — اس لئے کہ اول تو پاکستان میں قابلیت و صلاحیت کی قدر کم، اثر و رسوخ اور سفارش کی پہنچ اور اس کا اثر زیادہ ہے - دوسرے اس لئے کہ اگر کہیں کوئی اچھی ملازمت مل بھی جائے تو جو سہولتیں جو آرام جو سکون اور جو تلذذ امریکی معاشرے میں حاصل ہے وہ پاکستان میں کہاں میسر! لہٰذا انہوں نے وہیں مستقل آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا اور مختلف اچھی ملازمتوں پر فائز ہو گئے - کم و بیش ایسا ہی کچھ ان لوگوں کا حال ہے جو عارضی طور پر تجارت کے لئے گئے تھے لیکن اب انہوں نے مستقل طور پر وہاں اپنے کاروبار جما لئے ہیں — اس تیسرے طبقے میں پہلے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جو فکر و نظر اور عمل و اخلاق کے لحاظ سے تیزی کے ساتھ امریکی معاشرے میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور جن کا یہ حال نظر آ رہا ہے کہ اندیشہ ہے کہ جلد ہی وہ اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کا شعور کھو دیں گے - اسی طبقے کی خواتین کی روش کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں - جن سے نیگرو مسلم سخت بیزار ہیں - یہ وہ لوگ ہیں جو تیزی سے 'کالے امریکی' بنتے چلے جا رہے ہیں - ایسے لوگوں کی روش اور حالت پر لسان القوم اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر بالکل راست آتا ہے کہ ؎

ہم تو سمجھتے تھے لائے گی فراغت تعلیم　　کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

ان لوگوں کے ساتھ الحاد اس طرح چپک کر رہ گیا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں گے - وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا - الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے —— اس تیسرے طبقے میں دوسرے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جنہوں نے معاشی طور پر دلفریب و خوش گوار حال و مستقبل کی ترغیب میں آ کر وہاں مستقل

آباد ہونے کا فیصلہ تو کر لیا اور تا حال وہ اپنا اسلامی تشخص بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اُن کو بھی اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر لاحق ہے اور ان کو بھی وہ انجام نظر آ رہا ہے جس کی عکاسی میں پہلے طبقے کے ذکر میں کر چکا ہوں۔

اصل مسئلہ دوسرے طبقے کے افراد اور تیسرے طبقے کے موخر الذکر گروہ کا اصل مسئلہ یہی ہے۔ انہوں نے متاہل زندگی اختیار کی ہے۔ صاحبِ اولاد ہو گئے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ امریکہ جیسے بے دین، بے حیا اور رُوحانی اخلاقیات و اقدار سے عاری و خالی معاشرے میں ہماری اولاد کا کیا بنے گا؟ جن کے معصوم دل و دماغ پر نقش اوّل امریکہ کی خدا نا آشنا تہذیب و تمدن اور فکر و عمل کا ثبت ہو رہا ہے۔ ہم تو کچھ نہ کچھ نماز روزے کا اہتمام کر لیتے ہیں اور عیدین کو بطور دینی تہوار منا لیتے ہیں اور اس طرح اپنا کسی نہ کسی حد تک اسلامی تشخص برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اپنی نسلوں کے سروں پر دینی اتداد کا ——— خطرہ منڈلاتے دیکھ رہے ہیں۔ شکاگو میں پنجاب کے کھوکھر خاندان کے ایک صاحب سے مستقل رابطہ رہا۔ بڑے نیک طینت، مخلص اور فعال کارکن ہیں۔ وہ بڑے درد اور دکھ لیکن تیقن کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ "ہماری ایک نسل تو شاید امریکہ کی اس ملحدانہ اور اخلاق باختہ نظریات و تہذیب سے کچھ نہ کچھ بچ جائے لیکن میں پورے یقین اور دعوے سے کہتا ہوں کہ ہماری دوسری نسل کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ ہم مسلمان تھے اور ہمارا مسلمان خاندان سے تعلق تھا"۔ اسی قسم کے خطرات و خدشات اور خوف میں وہاں وہ لوگ مبتلا ہیں۔ جن کو کسی نہ کسی درجے میں دین عزیز ہے اور جو اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد الحاد کے سیلاب میں بہنے نہ پائے وہاں نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں یہی مسائل اکثر زیرِ بحث رہے اور اکثر حضرات نے ان ہی خیالات کا اظہار کیا جس کا کھوکھر صاحب کرتے رہے تھے۔

احساسِ خوف ان نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں، میں نے ان حضرات سے عرض کیا کہ آپ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کا جو جذبہ نظر آ رہا ہے۔ اس میں دراصل غالب عنصر اپنی اولاد کے مستقبل کے خوف کا شامل ہے

گویا آپ حضرات میں کام کے جذبے کا اصل محرک احساسِ خوف (Fear Complex) ہے۔ پہلے تو اس کی تصحیح کر لیجئے۔ دین کی دعوت و تبلیغ، تواصی بالحق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر غلبۂ دین حق کی سعی و جہد ہمارا دینی فرض ہے۔ اس کا اصل محرک احساس فرض کی ادائیگی ہونا چاہیئے۔ یہ حسنِ نیت اِن شاء اللہ باعثِ برکت و اجر ہوگا۔ ویسے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی عاقبت و آخرت سنوارنے کی فکر بھی مستحسن اور ہمارے دین کا عین تقاضا اور مطالبہ ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ آپ کی یہ سوچ اپنے احساسِ فرض کے تحت ہونی چاہیئے کہ ہم پر تواصی بالحق کا جو فریضہ عائد کیا گیا ہے اسی کے ذیل میں ہمارے گھر والے الاقرب فالاقرب میں آتے ہیں۔ میں نے ان حضرات سے عرض کیا کہ پاکستان میں ہم جو کام کر رہے ہیں اس کے لحاظ سے مجھے یہاں کام کی فضا بہتر اور مواقع زیادہ نظر آتے ہیں۔ وہ کہنے لگے، یہ کیسے! میں نے عرض کیا کہ ہمیں پاکستان میں لوگوں کو بہت زیادہ جھنجھوڑنا پڑتا ہے کہ خدا کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور دین کی دعوت و تبلیغ میں لگ جاؤ۔ اس کے باوجود وہاں کی عظیم ترین اکثریت ٹس سے مس نہیں ہوتی، جو جس حال میں ہے، مگن اور مطمئن ہے۔ پھر جن لوگوں میں ٹھوس کام کا کچھ داعیہ بیدار ہوتا ہے تو ہمیں ان کو بتانا پڑتا ہے کہ کام کیا کرو! یہاں آپ میں کام کا جذبہ ہے، آمادگی ہے پھر آپ کے لئے کام کا بڑا میدان ہے۔ غیر مسلموں میں دین کے کام کے مواقع ہیں۔ پھر اپنے بچوں کی اسلامی طرز پر تربیت کا میدان ہے۔ میں نے مزید عرض کیا کہ آپ کو جو خوف کا احساس Fear complex ہے اس کو بھی غنیمت سمجھئے اور اس کو باقی رکھنے کی کوشش کیجئے۔ بعض اوقات یہ جذبہ بھی بڑے بڑے معرکے سر کرا دیتا ہے۔ پاکستان کے قیام میں اس خوف کے عنصر کو بھی بڑا بھی موثر دخل تھا۔ وہاں ہندو کا خوف تھا جو عددی اعتبار سے ہم سے تین گنا زیادہ تھا پھر تعلیم اور ہنر کے میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ پھر وہ تقریباً سات سو سال مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہا تھا۔ اس میں ایک انتقامی جذبہ بھی

موجود تھا الغرض ہر میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ لہذا خطرہ تھا کہ ہندو ہم کو اپنی تہذیب میں ضم نہ کرے۔ اس خوف کے احساس نے بھی تحریک پاکستان کو قوت بخشی۔ چنانچہ احساس خوف بھی دنیا میں بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی میں معاون و مدد ہوتا ہے۔

تربیت کی عملی صورت

میں نے ان کو توجہ دلائی کہ اگر آپ واقعی اپنے اہل وعیال میں مسلمان ہونے کا شعور باقی اور قائم رکھنا چاہتے ہیں تو محض نصیحت سے کام نہیں چلے گا بلکہ آپ کو عملی نمونہ بنا ہوگا۔ پاکستان میں اپنے ماحول میں آپ کو یہ امید ہوتی کہ چلو میں اگر نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا۔ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا تو ان بچوں کے دادا، نانا، ماموں، خالو اور ایسے ہی دوسرے قریبی رشتہ دار تو نماز پڑھتے ہیں۔ ہر محلے میں مساجد موجود ہیں جہاں سے ہر روز پانچ وقت حیی الصلوٰۃ، حیی الفلاح کی ندا بلند ہوتی ہے۔ ماحول کے ان اثرات کا بچے کچھ نہ کچھ اثر قبول کریں گے۔ لیکن یہاں کوئی دادا، نانا اور اس نوع کے عزیز و اقارب نہیں۔ ماحول قطعی ناسازگار بلکہ قطعی مخالف۔ لہذا آپ کے کہنے سے آپ کے بچے نماز نہیں پڑھیں گے اور دوسرے اسلامی شعائر کا اہتمام نہیں کریں گے۔ جب تک آپ خود نماز کی اور دوسرے شعائر اسلامی کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کریں گے۔ آپ اگر زبانی کلامی نصیحت کریں گے تو یہاں آپ کی اولاد خاموش نہیں رہ سکے گی۔ وہ الٹی آپ پر تنقید کرے گی اور جب آپ سے یہ کہے گی کہ Dady you don't say Prayer why do you ask me to say Prayer? تو آپ بغلیں جھانکنے لگیں گے اور پھر آپ کا منہ نہیں پڑے گا کہ بچوں کو نماز کے لئے کہہ سکیں۔ آپ کو لازماً خود نماز پڑھنی ہوگی اور اپنے بچوں کے لئے نمونہ بننا ہوگا۔ اس کے بغیر آپ کے لئے نئی نسل میں اسلامی شعور باقی اور قائم رکھنا ممکن ہی نہیں۔ ان حضرات نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ میری یہ باتیں سنیں اور ان باتوں کو تسلیم کیا۔ یہ بڑی اچھی علامت ہے جس کا میں وہاں مشاہدہ کر کے آیا ہوں کہ آنے والے خطرات کا انہیں پورا احساس ہے اور اس کے تدارک کے لئے وہ بیتاب ہیں اور اس کے لئے احتیاطی تدابیر

سوچ بھی رہے ہیں اور عمل بھی کر رہے ہیں ۔

انتباہ انہی نجی گفتگوؤں میں، میں نے ان کو متنبہ کیا کہ آپ خاص طور پر اپنی بچیوں کی فکر کیجئے ۔ آپ ان بچیوں کو اسکولوں میں بھیج کر کیسے اطمینان کی نیند سوتے ہیں! جس معاشرے میں عریانی ایک تہذیبی قدر بن چکی ہے ۔ جہاں Sex پر کوئی قدغن نہ ہو، ۔ جہاں سوسائٹی میں مادر پدر آزادی ہو ۔ جہاں اسکولوں میں مخلوط تعلیم ہو ۔ جہاں اسکول کے یونیفارم اختیار کرنے کی پابندی ہو اور جہاں اگر کوئی لڑکی شلوار قمیض پہن کر چلی جائے تو اس کو اسکول میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے اور استہزا اور مذاق کا نشانہ بن جائے ۔ جہاں شلوار کیا پینٹ بھی چاہے چست پہنی ہو لیکن اگر پوری پہنی ہو تو لڑکی نکو بن جائے۔ ایسے ماحول میں لڑکیوں کے معاملہ بڑا نازک ہے ۔ آپ کو سب سے زیادہ فکر ہے۔ ان بچیوں کے مستقبل کے بارے میں کرنی چاہیئے ۔ چونکہ آئندہ نسل کو انہی کی آغوش میں پرورش پانی

اضطراب مجھے اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کو اس کا پہلے ہی سے شدت کے ساتھ احساس تھا اور ان میں اس مسئلہ کے بارے میں شدید اضطراب ہے ۔ چنانچہ وہ لوگ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں ۔ اکثر لوگوں میں آپس میں اچھے روابط ہیں COMMUNITY LEVEL پر کام ہو رہا ہے ۔ ان کی بے شمار انجمنیں ہیں جن کے اچھے خاصے مصارف ہیں جو یہ لوگ مل جل کر برداشت کر رہے ہیں یہ انجمنیں چرچ اور دوسری عمارات خرید رہے ہیں اور انہیں مسجدیں اور دینی کام کے مراکز بنا رہے ہیں ۔ وہاں اکثر مقامات پر سنڈے اسکول کا ایک نظام جاری ہے جہاں لوگ بچوں کو لے کر جاتے ہیں ۔ وہاں بچوں اور بڑوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دینی تعلیم کا انتظام ہے ۔ درس قرآن کی ہفتہ وار مجالس کے انعقاد کا انتظام ہے ۔ لوگ اس میں پابندی اور ذوق و شوق کے ساتھ شرکت کرتے ہیں ۔ غرض کہ ایک مسلسل حرکت موجود ہے ۔ عموماً سب ہی لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال ہیں ۔ بیدار ہیں اور بیدار رہنا چاہتے ہیں ۔ یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ ان میں کام کا جذبہ ہے اسلام کا درد ہے اور وہ خود بھی اپنا اسلامی تشخص قائم

رکھنے کے لئے بیتاب اور اپنی اولاد کو بھی مسلمان ہی رہنے کے انتہائی آرزومند ہیں - یہ بے چینی بہت قیمتی ہے اور یہ جتنی بڑھے گی اتنی ہی ان میں کام کی لگن کو قائم رکھنے میں ممد و معاون ہوگی - یہ بے چینی ہی ہے کہ جوان کو ہر دینی کام میں تعاون کرنے اور ہر دینی بات کو قبول کرنے کے لئے ابھارتی ہے - اگر یہ بے چینی ختم ہوگئی تو گویا اُن کے دل میں اسلام و ایمان کی جو دھیمی سی چنگاری ہے وہ بجھ گئی پھر ان کا یہ حال ہو جائے گا جسے علامہ اقبال مرحوم نے یوں ادا کیا ہے

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ایک نہایت مبارک بات

برصغیر ہند و پاک میں دین کی صحیح و حقیقی دعوت کی اشاعت میں جامد قسم کی مختلف فقہی مسالک کے ساتھ وابستگی ایک رکاوٹ بنتی ہے - یہاں فقہی اختلافات نے شدید نوعیت کی فرقہ واریت اختیار کی ہوئی ہے - یہاں عموماً کیفیت یہ ہے کہ لوگوں کی عظیم اکثریت کسی دعوت کو اس کی Face Value پر نہیں جانچتی بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ کس مسلک کے پیرو کی طرف سے یہ دعوت پیش کی جا رہی ہے - پاکستان میں تو حق بات کہنا انتہائی مشکل ہے ذرا کہہ کر دیکھئے نہ معلوم کتنی مسجدوں میں آپ کا داخلہ بند اور کتنے دارالعلوموں سے آپ کے خلاف فتوے جاری ہو جائیں گے - یہاں یہ پوچھا جائے گا کہ کس دارالعلوم کا فارغ التحصیل ہے - سنی ہے یا نہیں - پیر والا ہے - یا بے پیر ہے - یہ بڑی مبارک اور خوش آئند بات ہے کہ فقہی فرقہ واریت یہ دیوبندیت اور بریلویت کی چپقلش ابھی امریکہ میں نہیں پہنچی ہے - جب تک یہ برطانیہ میں نہیں پہنچی تھی تو وہاں مثبت انداز میں دین کا اچھا بھلا کام ہو رہا تھا - لیکن جب یہ فرقہ واریت وہاں پہنچی تو فساد، افتراق اور تفرقے کا بیج بو آئی - برطانیہ میں بہت سے مقامات پر اسی فرقہ وارانہ مخالفتوں اور جھگڑوں کی وجہ سے کچھ مساجد میں تالے پڑ گئے - خون ریز فسادات اور خنجر چلنے کی بھی نوبت آئی - مقدمات قائم ہوئے اور اس طرح وہاں اسلام کا جو ایک عمدہ Image قائم ہو رہا تھا اس کو اسی فرقہ واریت نے سخت صدمہ پہنچایا - برطانیہ میں مزدور طبقے کے لوگ کثرت

سے پیچھے ہوتے ہیں - یہ وہ طبقہ ہے، جس کا عملی طور پر تو اسلام سے کوئی مضبوط تعلق نہیں ہوتا حتیٰ کہ نہ نماز کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے نہ روزہ رکھنے کا لیکن فرقہ دارانہ اختلافات میں یہ اپنے علماء کی پکار پر لڑنے بھرنے بلکہ جان تک دینے کے لئے ہر وقت تیار - ان کے اسی اندھے جذبے کو مفاد پرست لوگ استعمال (EXPLIOT) کرتے ہیں اور بدترین منافرت پھیلاتے ہیں لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ امریکہ کے مسلمان تاحال اس آفت سے محفوظ ہیں - کب وہاں یہ تفرقے کا بیج پڑ جائے جو شیطان کا حقیقی اسلام کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں روڑا اٹکانے کا سب سے موثر ہتیار ہے، اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا - بہرحال یہ صورتِ حال بہت مبارک، خوش آئند اور حقیقی دین کے کام کے لئے سازگار ہے -

ایک قابل غور بات

امریکہ اور کینیڈا میں برصغیر پاک و ہند سے گئے ہوئے بہت سے حضرات سے میرا رابطہ قائم ہوا اور مختلف مجالس میں تبادلہ خیال کا موقع بھی ملا تو ان ملاقاتوں سے ایک گہرا تاثر میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ کہ بہترین علمی، ذہنی اور انتظامی صلاحیتیں رکھنے والے حضرات اپنے ملک کو خیرباد کہہ کر دیارِ غیر میں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں اور ہمارا ملک ان کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا ہے - یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم نے جس مقصد کے لئے پاکستان قائم کیا تھا، اس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا اور تاحال ڈالے رکھا ہے، یعنی ایک صحیح اسلامی نظام کا قیام و نفاذ - نتیجہ یہ نکلا کہ جس ملک کو 'پاکستان کا مطلب کیا - لا الٰہ الا اللہ' کے مطالبے اور نعرے پر قائم کیا گیا تھا - اُسی مطالبے اور نعرے کو ہم نے طاقِ نسیان پر رکھ دیا اس کی اس دنیا میں یہ سزا مل رہی ہے کہ بہت سے فتنوں نے سر اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں اور سلام کی منزل دُور سے دُور ہوتی چلی آ رہی ہے - اسی صورتِ حال سے مایوس ہو کر ہمارے معاشرے کے Intellegentia کا معتد بہ حصہ ترکِ وطن کر گیا - اور کر رہا ہے - اب ان کی صلاحیتوں، توانائیوں اور قوتوں سے خدا ناآشنا اور طاغوتی نظام فائدہ اٹھا رہا ہے - شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ ہمارے معاشرے کے مکھن کا بہت بڑا حصہ Export ہو چکا ہے - ہمارے بہترین انجینئرز

بہترین ڈاکٹرز، بہترین ماہران تعلیم، بہترین ماہران معاشیات، وعمرانیات اور سیاسیات۔ بہترین سائنس داں اور فلاسفر امریکہ، کناڈا اور یورپ کے دوسرے ممالک میں مستقل طور پر جاکر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا قومی و ملّی نقصان اور المیّہ ہے۔ امریکہ دنیوی لحاظ سے خوش بخت ملک ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے خزانے کی جن بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطّہ زمین کو نوازا ہے، اس کا ذکر میں بالکل ابتدا میں کر چکا ہوں۔ مزید براں اس ملک کے رہنے والوں کو اپنے ملک کے ترقی کے لئے باہر والوں سے بڑی مدد ملی ہے۔ آج سے تقریباً دو تین سو سال پہلے زبردستی براعظم افریقہ سے وہاں کے باشندے غلام بناکر امریکہ لائے جاتے رہے ہیں جن سے سفید فام امریکیوں نے جانوروں کی طرح اپنی ملک کی ترقی کے لئے کام لیا ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل تک جاری رہا۔ امریکہ کی زرعی ترقی، کان کنی، تیل کے کنوؤں کی دریافت پھر صنعتی ترقی میں ان افریقی غلاموں کا خون پسینہ شامل ہے۔ یہی افریقی جو نیگرو اور کالوں کے نام سے اب گو امریکہ کے باشندے شمار ہوتے ہیں لیکن جو حقوق سفید فام امریکیوں کو حاصل ہیں ان میں سے اکثر حقوق سے یہ تا حال محروم ہیں۔ یہ لوگ صدیوں قبل زبردستی اور غلام بناکر لائے جاتے تھے اور ان کی محنت کا تمام ثمرہ سفید فام حاصل کرتے تھے۔ اب زبردستی اور غلام بناکر لوگوں کو امریکہ لے جانے کا تو دستور نہیں۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ مشرقی ممالک بالخصوص برصغیر پاک و ہند کا ذہنی اور انتظامی لحاظ سے بہترین سرمایہ (TALENT) اپنی خوشی سے وہاں جاکر آباد ہو رہا ہے اور وہاں ——— ایک نوع کی — خود اختیاری معاشی غلامی میں مبتلا ہے۔ سفید فام امریکی پہلے افریقی حقیقی غلاموں سے اپنی ملک کی ترقی کے لئے بالجبر کام لیتے رہے۔ آج مشرقی اپنی رضا سے امریکہ میں چند معاشی آسائشوں کی خاطر اس کی دنیوی ترقی کی مشین کے کل پرزے بنے ہوئے ہیں اور ایک طرح کی خود اختیاری معاشی غلامی میں گرفتار ہیں۔ ان کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں اسی ملک کی ترقی و بہبود کے لئے وقف ہیں — اس پر اس کا بھی اضافہ کر لیجئے کہ جن مسلم ممالک کو اللہ تعالےٰ نے سیال سونے (تیل) سے

نوازا ہے ۔ ہماری بدبختی کہ اس سے بھی بھرپور مادّی فائدہ امریکہ ہی حاصل کر رہا ہے ۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ط — ہماری بہترین ذہنی و فکری اور انتظامی صلاحیتیں ہی ایکسپورٹ نہیں ہوئیں اور ہو رہی ہیں بلکہ ہمارے ملک کا محنت کش طبقہ اور خاص طور پر SKILLE LABOUR بھی بڑے پیمانے پر Export ہو رہا ہے ۔ اس لحاظ سے بھی ہمارا ملک نقصان اٹھا رہا ہے ۔ لیکن ہم خوش ہیں کہ ان کے ذریعے ملک کو زرِ مبادلہ حاصل ہو رہا ہے جس سے ملک کی معیشت مستحکم ہو رہی ہے ۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس زرِ مبادلہ کا کتنا قلیل حصہ حکومت کو مل رہا ہے اور کتنا کثیر حصہ ملک میں سامان تعیش کی درآمد اور اسمگلنگ کی پشت پناہی میں صرف ہو رہا ہے ! ۔ اور پھر یہ کہ ان کو بیرونی ممالک بالخصوص سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں میں کتنی حقارت سے دیکھا جاتا ہے ۔ میرا تاثر یہ ہے کہ اس قسم کے حالات دراصل اس امر کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ ہم اپنی شامتِ اعمال کی پاداش میں مختلف نوع کے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو گئے ہیں ۔ اور اب ہماری حقیقی اور اجتماعی توبہ ہی بگڑی کو بنا سکتی ہے اور ہم عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ کی نوید کے مستحق بن سکتے ہیں ۔

دروسِ قرآن اور تقاریر

گذشتہ سال ۱۹۷۹ء کے شروع میں مجھے کناڈا اور امریکہ کے دورے کی دعوت ملی تھی ۔ اس سے قبل بھی مجھے ــــــــ اس نوع کی دعوتیں یورپ کے بعض ممالک اور شمالی امریکہ سے ملتی رہتی تھیں ۔ لیکن میں نے ان کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا ۔ لیکن شمالی امریکہ سے بڑی پُرزور دعوت آئی ۔ انجمن کی مجلسِ منتظمہ اور خاص طور پر میرے رفیق قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی نے اصرار کیا کہ اس دعوت کو ضرور قبول کرنا چاہیئے ۔ قاضی صاحب ہی نے خط و کتابت کے ذریعے تمام انتظامات کئے اور میں پہلی مرتبہ ۲۱ - ۲۲ ۔ اگست ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب کو کراچی سے شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر روانہ ہوا — وہاں پڑا مورچہ تو کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں لگا جہاں بارہ روز تک روزانہ قرآنی منتخب نصاب کا درس ہوا اور تقاریر ہوئیں ۔ روزانہ ڈھائی سو کے لگ بھگ حاضری ہوتی تھی ۔ جس میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ پابندی سے شریک ہوتے رہے تھے جن میں کئی حضرات

وہ تھے جو تعلیمی لحاظ سے مجھ سے کہیں بلند وارفع تھے - پی - ایچ - ڈی اور ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں رکھنے والے لوگ تھے ایسے لوگ آپ کو یہاں دروس میں نظر نہیں آئیں گے - یہاں یہ لوگ تو اپنے حال میں مگن اور مطمئن ہیں - یہی عالم دوسرے دورے کے موقع پر دیکھنے میں آیا - جس کے لئے میں ۲۲-۲۳-اگست ۸۸ء کی شب کو کراچی ہی سے روانہ ہوا تھا - پچھلے دورے میں بالٹی مور میں عید الفطر کی نماز پڑھائی اور چند مواقع پر اجتماعات جمعہ اور دیگر اجتماعات کو انگریزی میں خطاب کیا - کچھ دروس قرآن انگریزی میں بھی دیئے - گذشتہ سال بھی اور امسال بھی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے کنونشن میں شرکت کا اتفاق ہوا - اس سال کنونشن کے آخری اجلاس میں، میں نے " پندرویں صدی ہجری کے چیلنج - خطرات اور توقعات " کے عنوان سے انگریزی میں ایک مقالہ پڑھا - (جو روزنامہ مسلم اسلام آباد اور ہفت روزہ "RADIANCE" دہلی (بھارت) میں شائع بھی ہو چکا ہے) جس کے چند اہم نکات میں آج آپکے سامنے بھی پیش کر چکا ہوں - اس دوسرے دورے میں اس بار بھی ایک بڑا مورچہ ٹورنٹو (کینیڈا) ہی میں لگا - جہاں میں نے قرآنی منتخب نصاب کے بقیہ حصوں کا درس دیا وہاں مکمل نصاب کے بحمداللہ کیسٹ تیار ہو گئے ہیں - جس کے ذریعے ان شاء اللہ امریکہ میں قرآن کی دعوت کی وسیع تر حلقوں میں اشاعت ہوگی اور دعوت قرآنی کی محکم اساس قائم ہو جائے گی - خطابات عام کا سلسلہ بھی جاری رہا - اس حالیہ دورے میں دوسرا بڑا مورچہ شکاگو (امریکہ) میں رہا - جہاں گیارہ روز کے دوران روزانہ درس قرآن کے علاوہ چند اجتماعات میں شمولیت اور خطاب کا بھی موقع ملا - گذشتہ سال کے دورے میں شکاگو اور ڈیلاس (امریکہ) میں صرف دو یا تین دروس ہوئے تھے - شکاگو میں اس مرتبہ روزانہ

حاضری ٹورنٹو سے بھی بڑھ گئی - سیرت النبیؐ کے موضوع پر منعقدہ ایک جلسے میں تو حاضری چھ سات صد سے بھی متجاوز تھی - یہ جلسہ شکاگو کے ایک وسیع و عریض مرکز تقریبات میں منعقد ہوا تھا — شکاگو میں اس بار سورہ حدید کا

تسلسل کے ساتھ درس ہوا جس کے ریڈیو ٹیپ تیار کرلئے گئے تھے جو لگ بھگ اٹھارہ گھنٹوں پر پھیلے ہوئے ہیں - اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو دعوتِ قرآنی کے اس "ذروۃ السنام" کے درس کے یہ ٹیپ بعض لوگوں میں دینی ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں - وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

دعوتِ قرآنی کا اعجاز

میں پچھلے سال جب شمالی امریکہ پہنچا تو حیران رہ گیا - مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس براعظم میں مقیم برصغیر پاک و ہند کے رہنے والے مسلمانوں میں "دعوت رجوع الی القرآن" اور "تحریک تجدید ایمان - توبہ - تجدید عہد" کا اتنا وسیع تعارف موجود ہوگا - نہ معلوم وہاں کون کون سے شہروں میں میرے دروس کے ٹیپ پہنچ چکے ہیں - یہ صرف دعوتِ قرآنی کا اعجاز ہے جس کا مجھے وہاں مشاہدہ ہوا - ورنہ من آنم کہ من دانم شمالی امریکہ میں، میں جہاں بھی گیا - اجنبی تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب عزیز کے طفیل میری توقعات سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس وہاں میرا خیر مقدم ہوا میں نے لوگوں میں دعوتِ قرآنی کے بڑے اچھے اور خوشگوار اثرات دیکھے - جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان دروس میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پابندی سے شریک ہوتے رہے اور بڑی بڑی دور سے روزانہ آتے رہے - وہاں کی زندگی بڑی مصروف زندگی ہے پھر بڑے وسیع و عریض شہر ہیں - یہ تو ممکن نہ تھا کہ کسی شہر میں مختلف مقامات پر دروس کا انتظام ہوتا - اس لئے ایک مرکزی مقام پر انتظام ہوا کرتا تھا - لیکن معلوم ہوا کہ ان میں شرکت کرنے والوں میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو پینتیس ۳۵ اور چالیس ۴۰ میل کے فاصلوں سے پابندی سے شریک ہوتے رہے ہیں - اس مرتبہ میں مانٹریال (کناڈا) گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کیسٹوں کے ذریعے کافی وسیع حلقے میں دعوت پھیل چکی ہے - ایک صاحب سے ملاقات ہوئی دورانِ گفتگو میں کہنے لگے وآپ کی یہ بات فلاں درس میں ہے" پھر گفتگو آگے بڑھی اور میں نے کوئی بات کہی تو پھر انہوں نے کہا کہ وہاں یہ بات بڑی وضاحت سے آپ کے فلاں درس میں بیان ہوئی ہے" میں نے

کہا کہ ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ کہنے لگے کہ پچھلے سال آپ نے جو ٹورنٹو میں درس دیتے تھے، میں ان میں باقاعدگی سے شریک رہا ہوں اور ان دروس کے کیسٹوں کا مکمل سیٹ میرے پاس موجود ہے۔ ہر درس کو چھ چھ سات سات مرتبہ سنا ہے اور دوسروں کو بھی سنائے ہیں۔ چند اور لوگ بھی ملے جن کو پچھلے دروس کی باتیں ازبر ہیں۔ اور وہ اپنے طور پر کیسٹوں کے ذریعے دعوت پھیلا رہے ہیں۔

کام کے مواقع

میں دورانِ تقریر میں کئی بار عرض کر چکا ہوں اب پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ شمالی امریکہ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کے بڑے مواقع ہیں۔ وہاں پیاس موجود ہے۔ مہاجرین میں بھی اور امریکی باشندوں میں بھی خاص طور پر نیگروں میں — پھر یہ کہ وہاں کے دردمند اور مخلص مسلمانوں میں صحیح دعوت کو قبول کرنے کی استعداد بھی موجود ہے۔ البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی مثبت دعوت پیش کی جائے۔ فقہی بحثوں اور وقتی و ہنگامی سیاسی اختلافات سے متعلق گفتگو دل سے پرہیز کیا جائے۔ دعوت کا اصل موضوع 'دعوتِ عبادتِ رب' ہو۔ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ — اور اس دعوت کو قرآن کے محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے۔ چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ ہی ہر شے کا فاطر ہے لہٰذا انسانی فطرت اُسی کی بات جلد قبول کرے گی۔ پھر دعوت میں 'حکمت' کو پیشِ نظر رکھا جائے جس کے لئے قرآن ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط "اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو"— وہاں یہ سہولت ہے کہ کھلا اور آزاد معاشرہ ہے۔ پڑھے لکھے اور غور و فکر کرنے والوں کا بہت اچھا تناسب ہے۔ ذرائع ابلاغ پر کوئی قدغن نہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کی معینہ وقت کی مقررہ قیمت ادا کیجئے اور اپنی دعوت پیش کیجئے۔ وہاں ہر نقطۂ نظر کی بات سننے پر

لوگ آمادہ ہیں ۔ یہود تبت ان ذرائع ابلاغ سے بڑا فائدہ اٹھا رہی ہے ۔ ہندو مت اور بدھ مت نے بھی وہاں اپنے لئے اچھی خاصی گنجائش پیدا کر لی ہے اس لئے کہ وہ بڑے منظم اور سائنٹفک انداز سے ان ذرائع ابلاغ کو استعمال کر رہے ہیں اور ان کے رشی منی وہاں چند بڑے بڑے شہروں میں آشرم بنا کر اور جم کر بیٹھ گئے ہیں اور سادگی کو انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے ۔ اسی طرح اسلام کی دعوت کے مواقع بھی وہاں موجود ہیں بشرطیکہ آپ سنانے کے لئے آمادہ ہوں اور آپ میں سلیقے اور استدلال کے ساتھ دعوت پیش کرنے کی صلاحیت ہو ۔ آپ خود غور کیجئے کہ جب خالص باطل وہاں پھیل سکتا ہے تو حق کے قبول کرنے کے وہاں کتنے روشن امکانات موجود ہو سکتے ہیں ۔ ضرورت ایسے افراد کی ہے جو دعوت و تبلیغ دعوتِ حق ہی کے لئے زندگیاں وقف کر دیں ۔ اور وہاں جا کر ڈیرہ لگا دیں ۔

شدید تقاضا مجھ سے وہاں تقریباً ہر مقام پر یہ کہا گیا کہ جس طرح تم قرآن حکیم کے مطالب اور اس کی تعلیمات کے تقاضے سمجھاتے ہو ۔ جس طرح تم درس دیتے ہو اس طرح تو ہمیں کسی نے قرآن پڑھایا ہی نہیں ۔ اس طور سے تو ہمارا اس کتاب ہدایت قرآن سے تعارف ہوا ہی نہیں ۔ دس بارہ دن کے دورے پر تم ہم کو کتنا قرآن پڑھا اور سمجھا دو گے ۔ ہمیں کوئی ایسا آدمی دو، جو تمہارا تربیت یافتہ ہو اور تمہاری طرح تفہیم القرآن کا اہل ہو ۔ ہم ایسے شخص کو سر آنکھوں پر بٹھائیں گے اور ہر طرح اس کی خدمت کریں گے ۔ وہاں ایک جگہ سے نہیں کئی مقامات سے یہ مطالبے ہوتے ہیں اور شدت سے ہوتے ہیں ۔ لیکن میں کیا کروں ! مجھے ابھی تک ایسے نوجوان نہیں ملے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک اور نوید جانفزا کے مطابق اپنی زندگیاں قرآن حکیم کی تعلیم و تعلّم اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیں کہ :- خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ "تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں"۔ اور یہ کہ : مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ "جس نے قرآن کے

موافق بات کہی اُس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا، وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا، اور جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا، اُس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم ہدایت نصیب ہو گئی۔" میں نے آپ کو ایک طویل حدیث کا آخری حصہ سنایا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ جس میں قرآن حکیم کی عظمت و شان بیان ہوئی ہے۔ اس حدیث کے ——— بالکل آخری ٹکڑے وَمَنْ دَعَا اِلَیْہِ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی دعوت کا کام کرنے والے کے لئے کتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس مہتم بالشان کام سے کسی اور کو کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو، اس کام کرنے والے کو ان شاء اللہ صراطِ مستقیم کی ہدایت مل جائے گی۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ——— مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ "تم مستقلاً یہاں آجاؤ۔ یہاں دعوتِ قرآنی کے لئے مسلموں اور غیر مسلموں دونوں میں کام کے روشن مواقع موجود ہیں۔ یہاں غیر مسلم ایک ایسے عادلانہ نظام کے پیاسے ہیں جس میں روحانیت بھی ہو اور متمدن زندگی گزارنے کے پاکیزہ اصول و ضوابط بھی ہوں۔ یہاں آکر بیٹھو اور قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا، کے اصول پر دین کی دعوت پیش کرو۔ ان شاء اللہ۔ یہاں بڑے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے۔ پاکستان تو بانجھ ہو چکا ہے۔ وہاں اس قرآنی دعوت پر لبیک کہنے والے مشکل ہی سے ملیں گے"۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کے ماحول سے میں خود بھی کبھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں کہ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ یہ قوم واقعی مر چکی ہے۔ میں آپ کو واقعہ سناؤں، ایک امریکن نوجوان نے اسلام قبول کیا ہے۔ عبداللہ مصطفےٰ اس کا نام ہے۔ چھ سات سال سے لاہور آتا جاتا رہا ہے۔ تقویٰ، دینداری اور نیکی کا جو ہمارا تصور ہے، اس میں وہ مجھ سے دس گنا آگے ہے۔ وہ اکثر قرآن اکیڈمی میں بھی قیام کرتا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی دن بھی ایسا گزرا ہو کہ وہ روزے سے نہ ہو اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی رات اس نے

بغیر تہجد کے گزاری ہو۔ وہ شاہ علاؤالدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اور ان کے زیر ہدایت سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ وہ عالم اسلام میں بہت گھوما پھرا ہے۔ اب سے چار پانچ ماہ قبل جب وہ میرے ساتھ آکر ٹھہرا تو اس نے مجھ سے سوال کیا : When are you leaving this country? (تم اس ملک کو کب چھوڑ رہے ہو؟) میں نے کہا کیوں! کہنے لگا" میں عالم اسلام میں گھوما ہوا ہوں اور پاکستان کو بھی میں نے بہت اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔

اس نے بہت اصرار سے کہا " خدا کے لئے تم کویت ہی چلے جاؤ۔ ترکی چلے جاؤ۔ کہیں اور چلے جاؤ۔ اور وہیں جا کر بیٹھ جاؤ اور کام کرو۔ نتیجہ نکلے گا۔ تم یہاں پتھروں سے سر پھوڑ رہے ہو۔ یہاں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا" یہ تھی اس کی دیانتدارانہ رائے اور یہ تھا اس کا بے لاگ تبصرہ — میں نے اس سے کہا " نہیں، میں نے کتاب و سنت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی شخص کو پیدا کرتا ہے تو یہ اس کا اختیار ہے اور اس کی حکمت ہے لہٰذا اس کا دائرہ کار وہی جگہ ہے جہاں اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھے تو یہیں کام کرنا ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ پتھر ہیں یا ابھی ان میں گداز موجود ہے۔

میرے تجربات

اس پتھر کے لفظ سے میرا ذہن قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ جس میں یہودیوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (البقرۃ ۷۴) " (اے یہود! اللہ کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی) آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح بلکہ سختی

میں ان سے بھی بڑھے ہوئے ۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی وقت میرے اوپر بھی یہاں کے حالات دیکھ مایوسی کا اس درجے غلبہ ہوتا ہے کہ میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہاں لوگ پتھروں سے بھی گزر چکے ہیں ۔ سب کچھ سنیں گے، لیکن ٹس سے مس نہیں ہوں گے ۔ زبانی کلامی تحسین ہوگی ۔ درس میں توحید پر مفصل گفتگو ہوگئی تو سامعین میں جو اہل حدیث مسلک کے ہیں، وہ اسے اپنے کھاتے میں ڈالیں گے اور خوش ہو جائیں گے ۔ اگر روحانیت، تزکیہ نفس اور اولیاء اللہ کا کچھ ذکر آگیا تو اس مسلک کے لوگ سر دھنیں گے ۔ اس سے آگے کی بات نہ وہ سنیں گے اور نہ مانیں گے اور نہ یہ ۔ کوئی سنجیدگی سے نہیں سوچے گا کہ ان کو کس کام کی دعوت دی جا رہی ہے ! ان کے دینی فرائض کیا ہیں ان کو اللہ کی عدالت میں کن کن امور کا جواب دینا ہے ! ۔ پھر جو لوگ آگے بڑھتے ہیں تو ان کے متعلق اپنا تجربہ بیان کر رہا ہوں کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے عہد اور وعدے پر پورے نہیں اترتے ۔ تو یہ ہے ہمارے معاشرے کا حال ۔ مجھے اس معاشرے کا بڑا تلخ تجربہ ہے ۔ پندرہ سال سے میں اس شہر میں پکار پکار کر اور چیخ چیخ کر دعوت دے رہا ہوں (اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا) کہ چند باصلاحیت لوگ آگے آئیں اپنے دنیوی کیریر (Career) تج کر مستقل طور پر تعلیم و تعلم قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اس طرح آخرت کے لئے اپنا توشہ (کیریر) بنائیں ۔ مجھے ابھی تک تو کوئی ایسا شخص نہیں ملا ۔ الحمد للہ میرے اعوان و انصار ہیں ۔ ساتھی ہیں ۔ لیکن سب جزوقتی ہیں ۔ تاحال کسی نے بھی اپنے آپ کو اسی کام کے لئے بالکلیہ وقف کرنے کی پیش کش نہیں کی ہے ۔ امریکہ اور کینیڈا میں لوگ مجھ سے ایسے مردان کار مانگ رہے ہیں جو دعوتِ قرآنی کا وہاں بیٹھ کر مستقل کام کریں ۔ خود یہاں پاکستان میں دس بیس اور سو پچاس نہیں بلکہ ہزاروں لوگ درکار ہیں جو ہمہ وقتی طور پر دعوتِ قرآنی اور توبہ کی منادی میں کھپ جائیں شاید اس طرح اس ملک کی بگڑی سنور جائے ۔ لیکن میں کیا کروں ! یہ میرے بس میں نہیں ۔ میں ایسے لوگ کہاں سے لاؤں ؟

میرا طرزِ عمل تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ الحمد للہ ثم الحمد اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ کسی اور کام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ ان پندرہ سالوں کے درمیان میں نے تین حکومتیں (صدر ایوب، جنرل یحییٰ اور بھٹو کی حکومتیں) دیکھی ہیں۔ چوتھی حکومت کے دور سے گزر رہا ہوں۔ ہر دور میں نہ معلوم کتنے لوگوں نے بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے ہیں۔ کچھ تو ایسے "صاحبِ کمال" لوگ ہیں کہ وہ ہر حکومت کے منظورِ نظر رہتے ہیں۔ ان ادوار میں مجھے بھی بڑی بڑی پیش کشیں ہوئی ہیں۔ بڑی بڑی ترغیبات کے جال مجھ پر پھینکے گئے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ پورے شعور کے ساتھ میں نے ان سے اپنا دامن بچایا ہے۔ جاہ و حشمت اور مال و منال کے مواقع حاصل ہونا بہت سخت آزمائش ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ نے تشدد اور ظلم کی ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے انگیز کیا۔ اُف تک نہیں کی لیکن جب حکومتِ وقت کی مہربانیاں شروع ہوئیں۔ اشرفیوں کے خوان خدمت میں پیش کئے گئے تو رو پڑے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ "اے اللہ! مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال یہ بڑی سخت آزمائش ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس مخلص مومن بندے کی دعا قبول کی اور اُسے اپنے پاس بلا لیا۔ الحمد للہ و المنہ اپنے خالق و مالک کی توفیق ہی مجھے حاصل ہے کہ میں ان ترغیبات سے بچا رہا ہوں اور دعوتِ قرآنی اور دعوتِ تجدید ایمان ہی میں لگا رہا ہوں۔ اس بات کی شہادت ارض لاہور دے گی اور وہ اصحاب دیں گے جو عرصہ دراز سے مجھے بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرے روز و شب جن کے سامنے ہیں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ میں بہت سے نقائص ہوں گے اور ہیں، اس کے لئے مجھ پر تنقید کیجئے اصلاح کے مشورے دیجئے۔ میں ان شاء اللہ ان پر عمل کی کوشش کروں گا۔ لیکن خدارا اس بات کا جواب دیجئے کہ میں نے پندرہ سال اس ملک خاص طور پر آپ کے اس شہر لاہور میں دعوتِ قرآنی کی نشر و اشاعت کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہے؟ دقتی اور

ہنگامی تحریکیں اٹھی ہیں ۔ مجھ پر بڑے دباؤ ڈالے گئے ہیں ۔ پھبتیاں چست کی گئی ہیں ۔ الزامات تراشے گئے ہیں ۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ دعونہ میں کسی چیز سے متاثر ہوکر اس راستے سے بال بھر بھی نہیں ہٹا جو مجھ پر از روئے کتاب و سُنّت منکشف ہوا ہے ۔ میرے نزدیک امّتِ مسلمہ جن فتنوں میں گھری ہوئی ہے اس کا کوئی وقتی اور ہنگامی کام مداوا نہیں کرسکتا ۔ اس کا صرف ایک ہی مخرج ہے اور وہ ہے اعتصام اور تمسّک بالکتاب اللّٰہ ۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے بذریعہ وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے امت کو بتایا کہ ہر فتنے اور ہر آزمائش کا اگر کوئی مخرج ہے، کوئی شافی علاج ہے تو وہ ہے کتابُ اللّٰہ ۔ یہی کہا علاّمہ اقبال مرحُوم نے

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی ‎ ‎ ‎ ‎ شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شُدی
اے تو چوں شبنم بر زمیں افتندۂ ‎ ‎ ‎ ‎ در بغل داردی کتابِ زندۂ

اور یہ کہ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ‎ ‎ ‎ ‎ نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یہی بات اسارت مالٹا کی واپسی کے بعد وقت کے چند علماء کے اجتماع میں سنہ ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں فرمائی تھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رح نے کہ "میں نے مالٹا کی اسیری کے دوران جتنا سوچا ۔ یہی سمجھ میں آیا کہ ہمارے سارے زوال و اضمحلال کے سبب دو ہیں ۔ ایک قرآن کو ترک کر دینا اور ایک ہمارے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی ۔" مولانا مفتی محمد شفیع رح نے ان دو کو بھی ایک بنا دیا ۔ ان کا فرمانا یہ تھا کہ "ہمارے اختلافات کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ہم قرآن مجید کو چھوڑ کر چکے ہیں ۔" چنانچہ الحمد اللہ والمنۃ میں نے اسی دعوت قرآنی کے لئے اپنی صلاحیتیں، اپنی توانائیاں اور اپنے اوقات وقف کئے ہوئے ہیں اور مجھے واثق امید ہے کہ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

ایک حوصلہ افزا بات

پچھلے سال (۱۹۷۹ء) جب میں شمالی

امریکہ گیا تھا تو وہاں کے اصحاب کا اصرار تھا کہ میں آئندہ ہر سال باقاعدگی سے ڈیڑھ دو ماہ کے لئے آتا رہوں۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میری آئندہ آمد مشروط ہوگی۔ اگر دعوتِ قرآنی اور غلبہ دین کی سعی کے لئے مستقل نظم قائم نہیں ہوتا تو میری آمد و رفت کا کوئی فائدہ نہیں۔ وقتی اور ہنگامی جوش و خروش اور سرگرمیاں مفیدِ مطلب نہیں ہوں گی۔ ٹھوس نتائج کیلئے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔ امسال جب دوبارہ گیا تو الحمد اللہ ٹورنٹو (کناڈا) اور شکاگو (امریکہ) دونوں مقامات پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ دعا کیجئے کہ سرزمینِ شمالی امریکہ میں یہ انجمنیں اور تنظیمیں قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر نشر و اشاعت اور لوگوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ صادق پیدا کرنے کی صحیح خطوط پر سعی و کوشش کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت "سمع و اطاعت اور ہجرت و جہاد" کی بیعت سے ہوتی ہے۔ وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب نے بلا تکلف بیعت کا نظم قبول کر لیا چونکہ وہ مطمئن ہو گئے تھے کہ بیعت کی اصطلاح بھی قرآن و سنت کی اور طریقہ بھی اس کے مطابق اور یہ کہ ہمارے سلفِ صالحین بھی اس پر کاربند رہے تھے۔ یہاں بیعت کا نام گالی بن چکا ہے۔ بیعت کا لفظ بول کر دیکھئے۔ اچھے اچھے دین کا علم رکھنے والے چونک جاتے ہیں۔ وہ بھی جو خود "بیعت ارشاد" کے مقر اور قائل ہیں۔ لیکن سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت پر قیل و قال کریں گے — عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا! ان کے کان کھڑے ہونے کوئی تعجب کی بات نہیں ان کا یہ کہنا اچنبھے کی بات نہیں کہ اس زمانے میں کیا دقیانوسی بات لے کر اٹھا ہے ع اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں! — پھر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس اصطلاح کو بدنام بھی بہت کیا ہے۔ لیکن خدارا مجھے بتائیے کہ ہم نے دین کی کس اصطلاح اور شعار کو بخشا ہے۔ اکثر و بیشتر بدنام ہیں لیکن کیا اس بنیاد پر ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔ ع نہیں ہرگز نہیں — شمالی امریکہ میں لوگوں نے بیعت

کے نظام کو قبول کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کیا۔ وہاں دعوتِ قرآنی کی یہ تاثیر اور اعجاز قرآنی کے یہ عملی مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے کہ ایک صاحب نے جو بنک سے سُود پر لی ہوئی رقم سے پانچ پٹرول پمپ چلا رہے تھے انہوں نے فوراً تین پمپ بند کر دیئے اور صرف دو پر اکتفا کر لی۔ جو وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے چلا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ایک صاحب نے اپنے مکان کو جو انہوں نے 'بنک کے پاس رہن' کے اصول پر سودی قرضے پر لیا تھا فروخت کر دیا اور اس میں ان کو اچھا خاصا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی والدہ ان کے اس اقدام پر بیٹھی روتی رہیں اور ان کے حلقہ تعارف کے لوگ ان کو سمجھاتے رہے کہ کیا پاگل ہو گئے ہو۔ یہ کونسا 'مولوی' آگیا ہے جو تم کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا گیا ہے۔ ہم نے بہت سے مولویوں سے دریافت کیا ہے۔ وہ اس طریقے کو ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ دو مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ وہاں قرآنی دعوت کے یہ اثرات ہوتے ہیں کہ بہت سے لوگ اس فکر میں ہیں کہ اپنے مکان بیچ کر اُس سودی چنگل سے جو یہودی کیا دوں کا وضع کردہ ہے جلد رستگاری حاصل کر لیں۔

میرے عزائم اس میں کوئی شک نہیں کہ شمالی امریکہ میں دعوت کے بڑے مواقع ہیں مسلموں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی۔ لیکن میرا فیصلہ ہے کہ مجھے تو یہیں پاکستان میں رہ کر کام کرنا ہے۔ ہم سعی وجہد کے مکلف ہیں ہماری کوششوں کا نتیجہ خیز ہونا خالصتہً مشیّتِ الٰہی کے تابع ہے۔ البتہ شمالی امریکہ میں دعوتِ قرآنی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے جو بیج پڑ گئے ہیں ان کی آبیاری کے لئے ہر امکانی تعاون کرنا ہمارا فرض ہے۔

ہم اس کام کی نگرانی بھی کریں گے اور ان کو مفید مشورے بھی دیں گے اب میرے سامنے نقشہ کار یہ ہے کہ ہم اس بات پر خصوصی توجہ دیں گے کہ یہاں ایسے مردانِ کار تلاش کریں اور ان کو تیار کریں کہ جو دعوتِ قرآنی اور دعوت اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے وہاں جائیں اور وہاں بیٹھ رہیں۔ اپنے اسلاف کی سُنت پر عمل کریں اور اسی کام کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

میری پکار

غور کیجئے کہ تاریخ میں ایک وہ وقت بھی آیا تھا۔ میں جو بات کہنے جا رہا ہوں۔ بلا تشبیہ عرض کر رہا ہوں۔ صرف افہام و تفہیم کے لئے کہیں مغالطہ نہ ہو جائے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ تو تاریخ میں وہ وقت بھی آیا تھا کہ مدینہ والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے۔ اور قرعہ فال ایک نوجوان حضرت معصب ابن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ کے نام پڑا۔ — اور وہاں ابھی ہجرت کر کے سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک مدینہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس قرآن مجید کی تعلیم سے مدینہ میں اسلام مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا اور شاید ہی کوئی ایسا گھر بچا ہو جس میں کوئی نہ کوئی فرد مشرف باسلام نہ ہو گیا ہو۔ جس کو ایمان کی دولت میسر نہ آئی ہو۔ آج میری پکار ہے۔ شمالی امریکہ میں مجھ سے تقاضے کئے گئے ہیں کہ ہمیں ایسے اشخاص دو جو اس طرح قرآن مجید پڑھا سکیں جس طرح تم پڑھاتے ہو۔ اب میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں۔ کون ہیں وہ باصلاحیت لوگ! اور کون ہیں وہ باصلاحیت نوجوان! جو میری اس پکار اور دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ میرے ساتھی الحمدللہ موجود ہیں۔ وہ جس صلاحیت کے ہیں وہ اللہ کی دین ہیں۔ اس کا عطیہ ہیں۔ بہت غنیمت ہیں یہ لوگ جو خالصتہً لِلّٰہ فی اللہ میرے کام میں میرے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ میں ان کو دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور بے اختیار کہتا ہوں کہ ع کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی اور یہ بھی کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

لیکن مجھے ضرورت ہے تو ایسے باصلاحیت نوجوانوں کی جو ہمہ تن اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں اور خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اور وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ کی بشارت کے مصداق بنیں۔ کون ہیں جو میری اس پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ میں ناامید نہیں لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ میری بڑی ڈھارس ہے میں یہ سارا کام

آخرت کے لئے کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ وہ غفور الرحیم مجھے اپنی رحمت کے دامن میں جگہ دے گا ۔ میں آج کی گفتگو اسی پر ختم کر رہا ہوں ۔

اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَآئِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ؕ

(بقیہ عرض احوال)

ڈاکٹر صاحب جون کے آخر تک واپس تشریف لے آئیں گے اور رمضان المبارک میں لاہور ہی میں موجود رہیں گے ۔

رمضان المبارک کے متوقع پروگرام

جیسا کہ گذشتہ کسی شمارے میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ الحمد اللہ والمنۃ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد "جامع قرآن" کی تعمیر پائے تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور ۲۷ر مارچ ۸۱ء سے باقاعدگی سے نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ توقع ہے کہ اس آنے والے رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی اور جامع قرآن" میں خوب رونق رہے گی ۔ نماز تراویح کا تو ان شاء اللہ العزیز انتظام ہو گا ہی ——— توقع ہے کہ نماز تہجد کی باجماعت ادائیگی کا بھی اہتمام ہو ——— اس کا بھی امکان ہے کہ گذشتہ چند ماہ قبل شروع سے قرآن مجید کے جس درس کا آغاز ہوا تھا جس میں سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع تک کا مطالعہ ہوا تھا ۔ رمضان المبارک میں اس درس کی بھی تجدید ہو جائے ۔ مزید براں ان شاء اللہ رمضان المبارک ہی میں مسجد شہداء کے درس قرآن کے سلسلہ میں قرآن مجید کے دل " سورۃ یٰسین" کا درس بھی شروع ہوگا۔

دروس قرآن وخطبۂ جمعہ

الحمد اللہ ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں مسجد شہداء میں ہفتہ وار درسِ قرآن حکیم اور مسجد دار السلام باغ جناح میں خطبہ جمعہ کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب اپنے رفیق کار جناب ڈاکٹر عبد السمیع صاحب کے سپرد کر گئے تھے۔ موصوف کی مستقل رہائش فیصل آباد میں ہے ۔ وہ وہاں سے تشریف لا کر ہر جمعہ کو ان خدمات کو باقاعدگی سے انجام دے رہے ہیں ۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورتاژ

از قلم :- قاضی عبدالقادر

عجیب معاملہ تھا، پونے نو بجے شب کی فلائٹ سے کراچی جانا تھا پونے آٹھ بجے بُلایا گیا تھا، اس وقت آٹھ بجے ہیں، پندرہ منٹ ہی تو تاخیر ہوئی ہے لیکن کاؤنٹر بند ہے، لاہور ایرپورٹ کے ہال میں داخل ہوتے ہی میں حیران سارہ گیا — عارف میاں ساتھ تھے مجھے چھوڑنے آئے تھے وہ بھی حیران تھے، کاؤنٹر کے قریب مسافروں کا ہجوم تھا، جتنے لوگ اتنی باتیں، کوئی کہہ رہا تھا کہ فلائٹ کینسل ہوگئی، کسی کا کہنا تھا کہ تاخیر سے جائے گی — کاؤنٹر پر PIA کے ایک کارکن آئے، ان سے پوچھا، انہیں بھی کچھ ٹھیک معلوم نہ تھا یاالٰہی! ماجرا کیا ہے؟ — پھر پتہ چلا کہ تین بجے سہ پہر کی فلائٹ بھی ابھی نہیں گئی، اُس کے مسافر بھی ہال میں موجود ہیں — اگر فلائٹ گئی تو پہلے وہ جائیں گے، پھر کہیں ہمارا نمبر آئے گا - اتفاق سے ایرپورٹ پر تنظیم اسلامی کراچی کے ہمارے ایک رفیق سلیم صاحب مل گئے - جو PIA میں ملازم ہیں۔ اور لاہور تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے آئے تھے، فارغ ہوکر اپنے گھر سیالکوٹ چلے گئے تھے اور کراچی جانے کے لئے ابھی ابھی سیالکوٹ سے پہنچے تھے اُن کی سیٹ کنفرم نہیں تھی چانس پر تھے — اُن سے پتہ چلا کہ کراچی میں PIA کے ایک طیارہ نے CRUSH LANDING کی ہے، کیونکہ اُس کے پہیے نہیں کھل سکے تھے — الحمدللہ مسافر سب خیریت سے رہے، جہاز کو کچھ نقصان پہنچا ہے - اس وجہ سے پروازوں کا سارا نظام درہم برہم ہے — میں سوچنے لگا کہ آج صبح کے اخبار میں ہی تو یہ

خبر پڑھی تھی کہ راولپنڈی سے لاہور آنے والے طیارہ کو لاہور ایر پورٹ پر اُترنے میں مشکلات پیش آئیں، اُس کے پہیے نہیں کھل رہے تھے، کوشش لینڈنگ کے انتظامات ہو ہی رہے تھے کہ اچانک پہیے کھل گئے اور وہ خیریت سے اُتر گیا — یہ آخر PIA کے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ — دو دنوں میں متواتر ایک جیسے دو واقعات — اور اگر ہمارے طیارہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گیا تو پھر! — بدن میں ایک جھرجھری سی آگئی جیسے موت سامنے خلا میں گھور رہی ہو — واقعہ یہ ہے کہ ہوائی سفر سب سے زیادہ RISKY ہے اور آدمی اس میں موت سے بہت قریب ہوتا ہے لیکن افسوس کہ لوگ پھر بھی موت سے غافل رہتے ہیں جیسے موت دوسروں کے لئے ہے اُن کے لئے نہیں — میں دل کا ویسے بھی کچھ کمزور واقع ہوا ہوں لیکن یہ خیال تسلی دیتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا خوف نہ کر کیونکہ جو کچھ ہو گا اللہ تعالےٰ کے حکم سے ہو گا اور جو کچھ گذر گیا ہے اُس کا غم نہ کر کیونکہ جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے اِذن سے ہوا ہے اس لئے ایک مسلمان کے لئے نہ خوف ہے نہ غم — میں انہی خیالات میں گُم تھا کہ خیال آیا کہ عارف میاں کا کل امتحان ہے اور انہیں اب رات کو مطالعہ کرنا ہے، میں بلاوجہ ان کو ورغلائے ہوئے ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن سے جانے کیلئے کہا اور وہ ہماری بے بسی پر مسکراتے ہوئے رخصت ہو گئے — اب میں تھا اور سلیم صاحب اور فلائٹ کی Uncertainty — ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہم تینوں ریسٹوران میں جا بیٹھے، کھانا کھایا گرم گرم چائے پی اور یوں سلیم صاحب کی میزبانی کا لطف اٹھا ہی رہے تھے کہ اعلان ہوا کہ تین بجے سہ پہر والی فلائٹ کے مسافر لاؤنج میں آجائیں، فلائٹ تیار ہے — ہماری جان میں جان آئی کہ چلو اب ہماری بھی باری آ ہی جائے گی — کاؤنٹر پہ جا کر پتہ چلا کہ پونے نو بجے اور گیارہ بجے والی دونوں فلائٹوں کو ایک فلائٹ میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور یہ فلائٹ گیارہ بجے جائے گی۔ سلیم صاحب چانس پر تھے وہ اپنا "کام" بنانے چلے گئے اور

میں لاؤنج میں جا بیٹھا — خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے جہاز پر "قدم رنجہ فرمائے" کا حکم ملا اور ہم اپنے "رنجیدہ قدموں" کے ساتھ اپنی نشست پر جا بیٹھے — کیا دیکھتا ہوں کہ سلیم صاحب بھی آ گئے، اُن کا "کام" بن گیا تھا، میرے برابر کی نشست خالی تھی جہاں وہ بیٹھ گئے — پونے بارہ بجے طیارہ میں حرکت پیدا ہوئی، سفر آرام سے گذرا، راستہ بھر سلیم صاحب سے تنظیم کے مسائل اور ان کے ذاتی حالات پر گفتگو ہوتی رہی — سوا بجے ہم کراچی کے ہوائی اڈہ پر تھے جہاں پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے برہان غنی صاحب گاڑی لئے ہمارے منتظر تھے۔

دراصل میرا یہ سفر اس سفر کا ایک حصہ تھا جو مجھے محترم امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ مدراس (بھارت) کے لئے کرنا تھا — مدراس کے اس سفر کی شانِ نزول یہ ہے کہ پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے چیئرمین جناب عبدالصمد صاحب ہر سال کراچی میں اپنے بنگلہ کے وسیع لان میں سیرت النبیؐ پر ایک جلسہ منعقد کراتے ہیں جس میں عام طور پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو تقریر کی دعوت دی جاتی تھی مولانا کے انتقال کے بعد سوال پیدا ہوا کہ کس کو بلایا جائے۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین جناب ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد نے انہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوت دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اُن کی دعوت پر پچھلے سال ڈاکٹر صاحب نے اُن کے ہاں خطاب فرمایا یہ SELECTED GATHERING ہوتی ہے جس میں شہر کا ELITE طبقہ مدعو ہوتا ہے۔ جلسہ کے بعد پُرتکلف عشائیہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر وہاں پر بہت زیادہ پسند کی گئی۔ اس اجتماع میں جناب عبدالصمد کے ایک کزن جناب ڈاکٹر نذیر محمد بھی موجود تھے جو مدراس سے آئے ہوئے تھے وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر محمدؒ صاحب میلاد کمیٹی مدراس کے سیکرٹری ہیں جو مدراس میں تقریباً گذشتہ نصف صدی سے ہر سال ربیع الاوّل کے مہینہ میں سیرت النبیؐ پر شاندار اجتماعات کا اہتمام کرتی رہی ہے جس میں

ملک و بیرون ملک کے علماء کو خطاب کرنے کے لئے دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے سال مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ کو دعوت دی گئی تھی اور مولانا کا وہیں پر ہی حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا تھا۔ اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہ۔

ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مدراس آنے کی دعوت دی جو ڈاکٹر صاحب نے منظور فرمالی۔ ادھر ربیع الاوّل ہی کے مہینہ میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے کی مدراس میں شادی ہونی طے پائی۔ چنانچہ عبدالصمد صاحب نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور اس خاکسار کو شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لی گئی۔ موصوف نے لاہور سے مدراس اور واپسی کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی بھجوا دیا تاکہ شادی میں شرکت بھی ہو جائے اور سیرت النبیؐ کے جلسوں کو ڈاکٹر صاحب خطاب بھی کر سکیں۔

فلائٹ کی "دو گڑبڑیشن" کی وجہ سے برہان غنی صاحب کو بھی ایرپورٹ کے چکر لگانے کی شدید زحمت اور کوفت ہوئی — آج ہی انہیں کار کے ایک حادثہ سے بھی دوچار ہونا پڑا جس کی وجہ سے اُن کی ایک ٹانگ میں چوٹ آئی اور انہیں کھڑا ہونا تک مشکل ہو رہا تھا — لیکن آفرین ہے اُن پر کہ اس کے باوجود بھی وہ رات کے ایک بجے اس خاکسار کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے۔ میں شرمندہ تھا اُن سے عرض بھی کیا کہ آپ زحمت نہ فرماتے لیکن اُن کا جواب ایک دلآویز مسکراہٹ تھی جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہ ہو — اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین! — اس طرح کوئی ڈیڑھ بجے میں گھر پہنچ گیا۔ عارف میاں نے کراچی فون کر کے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ فلائٹ میں بہت تاخیر ہو جائے گی اس وجہ سے کوئی فکر نہ کریں۔ اس لئے گھر والوں کو اطمینان تھا۔

ڈاکٹر صاحب کو لاہور سے آج رات کراچی پہنچنا تھا — اُن کے ساتھی بھی تقریباً وہی کچھ پیش آیا جو کل میرے ساتھ پیش آیا تھا — PIA کی پروازوں کا نظام ابھی تک درہم برہم تھا۔ انہیں پونے نو بجے شب کی فلائٹ سے

روانہ ہونا تھا جس میں تاخیر بڑھتی چلی جارہی تھی چنانچہ موصوف نے کوشش کر کے اُس سے پہلے کی یعنی سہ پہر تین بجے کی فلائٹ کا بورڈنگ کارڈ حاصل کر لیا جو رات ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوئی اور ایک بجے کراچی پہنچی - پونے نو بجے شب والی فلائٹ جس میں دراصل ڈاکٹر صاحب کی نشست تھی وہ دوسرے روز صبح آٹھ بجے کراچی پہنچی جب کہ اسی روز صبح سات بجے کی فلائٹ سے ہمیں بمبئی روانہ ہونا تھا - اگر ڈاکٹر صاحب اس فلائٹ سے آتے تو بمبئی کی فلائٹ MISS کر جاتے -

پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کی کار میں ڈاکٹر صاحب کو لینے میں ائیر پورٹ پہنچا - گھر واپسی ڈیڑھ بجے شب ہوئی - بمبئی کی فلائٹ کا وقت صبح سات بجے تھا - دو گھنٹہ قبل یعنی پانچ بجے ایرپورٹ بُلایا گیا تھا جس کا مطلب تھا گھر سے ساڑھے چار بجے ایرپورٹ کو روانگی - کُل تین گھنٹے ہمارے پاس تھے - اس میں سونے کا تو سوال ہی نہیں تھا - صرف "آنکھیں جھپکانے" کا وقت تھا چنانچہ کوشش کر کے جھپکا لی گئیں - کوشش اس بات کی کی گئی کہ معاملہ "جھپکنے" تک ہی محدود رہے - نیند کی آغوش میں نہ پہنچ جائیں جو اپنے بازو وا کئے ہر لحظہ ہمیں اپنے آغوش میں لینے کی دعوت دے رہی تھی - دل کچھ اُس کی طرف مائل تو ہونے لگا تھا لیکن ؏

کبھی کبھی تو جنوں ہوشیار ہوتا ہے — ضمیر نے احتجاج کیا عقل نے مشورہ دیا کہ کمبخت کے خلاف شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جائے - دلِ ضمیر اور عقل کی اس "کشتم کُشتا" نے جلد ہی بستر سے اٹھا دیا - ڈاکٹر صاحب کو اٹھانے جا ہی رہا تھا کہ گھڑی دیکھی، ایں! ابھی تو صرف ایک گھنٹہ گزرا ہے، اُلٹے پاؤں واپس آگیا — اور پھر میں تھا اور بستر اور خرّاٹے - جو ڈاکٹر صاحب کے کمرہ سے آرہے تھے خرّاٹوں کا زیر و بم، اُن کا آہنگ — کافی دیر میں انہی میں کھویا رہا — ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ خرّاٹے لینا بھی تو سنّت ہے اللہ تعالےٰ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے اس نعمت سے بھی محروم نہیں کیا -

مدراس میں احباب کو تقسیم کرنے کے لئے میں نے ڈاکٹر صاحب کے اُردو اور انگریزی کتابچوں کے کچھ سیٹ لاہور سے ساتھ لے لئے تھے جو ایک کارٹن میں پیک کئے ہوئے تھے۔ خیال آیا کہ کسٹم پر جگہ جگہ کارٹن کو بار بار کھولنا بند کرنا پڑے گا اس لئے کارٹن کو کھول کر کتابوں کو اپنے دیگر سامان کے ساتھ رکھا، نئے سرے سے سامان کی پیکنگ کی گئی — اس سے فارغ ہو کر جلد جلد ہلکا پھلکا ناشتہ کر کے ہم ایئرپورٹ روانہ ہو گئے۔

پانچ بجے ایرپورٹ پہنچنا تھا لیکن پانچ تو گھر پر ہی بجنے والے تھے ایئرپورٹ کا راستہ نصف سے زائد طے ہو چکا کہ میرا ذہن سناٹے میں آ گیا — اوہ! میرے سوٹ کیس کی چابیاں گھر پر رہ گئی تھیں — ہمیں ویسے ہی تاخیر ہو چکی تھی — اُف! اب کیا ہو گا؟ — چابیاں لینے واپس جائیں تو اور زیادہ تاخیر ہوتی ہے۔ لینے جائیں تو کراچی اور بمبئی دونوں جگہ کسٹم والے اسے کھلوائیں گے اگر تالے توڑ تا ہوں تو سوٹ کیس غیر محفوظ ہو جائے گا کیونکہ اسے ہوائی جہاز والوں کے سپرد کرنا ہے — چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا — خیالات اور کار دونوں کی رفتار تیز تھی اور دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے — اب ڈاکٹر صاحب سے کہوں تو کیسے کہوں — ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور مجھ غریب پر جو بیت رہی تھی ڈاکٹر صاحب اس سے قطعی بے خبر تھے۔ جسم کی پوری طاقت کو مجتمع کر کے آواز نکالی "ڈاکٹر صاحب" جو ظاہر ہے بہت آہستہ نکلی — "جی" جواب ملا — اب آگے کچھ کہنے کی تاب نہ تھی ہمت جواب دے رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب میری پریشانی کو کچھ بھانپ گئے۔ "کہیئے" کیا بات ہے" — "ڈاکٹر صاحب — سوٹ کیس کی — چابیاں ——— گھر رہ گئیں" میں نے جیسے تیسے فقرہ پورا کر ہی دیا۔ اور اُس کے بعد گاڑی نے واپسی کا رُخ بدلا ڈرائیور کو حکم ملا کہ رفتار اور تیز کر دو۔ گھر پہنچا، نجیب سلمہ چابیاں لئے پریشان کھڑا تھا کہ کیا کرے! اتنے میں ہم پہنچے — چابیاں لیں اور پھر واپس ایرپورٹ — وہاں جب پہنچے تو گھڑی کی سوئیاں پونے چھ پر تھیں۔ جلد جلد ایرپورٹ کی عمارت میں داخل

ہوئے - باہر دفتر کے ایک ساتھی رحمٰن صاحب مِل گئے جو اپنے بیٹے زبیر کے ایک دوست ہدایت اللہ کو رخصت کرنے ایر پورٹ آئے تھے - جنہیں بمبئی ہوتے ہوئے میسور جانا تھا -

ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایر پورٹ پر پریمیئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے کوئی صاحب موجود ہوں گے جو کسٹم وغیرہ کی FORMALITIES میں ہماری مدد کریں گے برھان غنی صاحب کو آنا تھا لیکن وہ اپنی ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے نہ آسکے تھے — مجھے بیرونِ ملک ہوائی سفر کا کوئی تجربہ نہ تھا کہ کیا کچھ کرنا ہوتا ہے! — ڈاکٹر صاحب بیرون ملک جب بھی تشریف لے گئے ہیں ایر پورٹ پر تمام کاروائیاں Formalities دوسروں نے کر کے دی ہیں اس لئے اُن کو بھی کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا - یہاں پر ہر کام کے لئے قطاریں لگی ہوئی تھیں، کوئی بتانے والا نہ تھا کہ کیا کام کہاں پر ہوگا، بمبئی جانے والے مسافروں کی قطار کون سی ہے — عجب نفسا نفسی کا عالم تھا — سامان کو لئے کبھی اِدھر کبھی اُدھر — تاخیر ہمیں پہلے — سے ہوگئی تھی بہرحال میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک جگہ کھڑا کیا اور ایک قطار میں لگ گیا بورڈنگ کارڈ حاصل کیا اور سامان ہوائی کمپنی کے سپرد کیا - امیگریشن کے لئے دوسری قطار میں کھڑا ہونا پڑا - دھکم پیل کا عجب عالم تھا — کچھ لوگ تھے جو سفارش وغیرہ کے ذریعہ اپنا کام بغیر قطار میں کھڑے کرا رہے تھے جن کی وجہ سے قطار میں کھڑے ہوئے لوگوں کا نمبر دیر میں آ رہا تھا - جہاز کی روانگی کا وقت لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا تھا اور قطار چیونٹی کی طرح رینگ رہی تھی - ایسے موقعہ پر میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے — جسم کا رواں رواں سراپا احتجاج بن جاتا ہے - غصّہ بھی آتا ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے — پیسہ اور سفارش ان ۲ دو چیزوں نے قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے — ہماری پُوری بیوروکریسی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے پیسہ ہو یا سفارش — ہر کام ہو سکتا ہے، بگڑا کام بن سکتا ہے - اب قطار خاصی آگے بڑھ چکی تھی اور میرا نمبر آنے والا تھا کہ ایک صاحب قطار کے بغیر آ گئے اور امیگریشن افسراُن کا کام کرنے لگا - میں نے اُس سے کہا

کہ ہم اتنی دیر سے قطار میں کھڑے ہیں اور تم اس طرح بغیر قطار کے لوگوں کو نبٹا رہے ہو پھر قطار میں کھڑے ہونے سے فائدہ! اُس نے جو جواب دیا وہ اس محکمہ کے لوگوں (الّا ماشاء اللہ) کی رعونت اور بدتمیزی کا شاہکار تھا۔ کہنے لگا "خاموش کھڑے رہو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں"۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ہمارے ٹیکسوں کے پیسوں سے پلنے والا ہم سے اس طرح بات کرے۔ جی میں آیا کہ اسی وقت اسے بے نقط سنا دوں، چاہے پھر کچھ بھی ہو جائے لیکن پھر ایک خیال یہ بھی آیا کہ ڈاکٹر صاحب جو قریب ہی کھڑے تھے اگر انہوں نے یہ صورت حال دیکھی اور انہیں جلال آگیا تو فلائٹ تو رہی ایک طرف پورا ایرپورٹ ہل کر رہ جائے گا۔ اسی لئے ہوش جوش پر غالب آگیا، مصلحت اسی میں سمجھی کہ صبر کیا جائے اور خاموش رہا جائے جیسے تیسے اپنا کام کرایا اور کسٹم کے ہفت خواں سے گذر کر لاؤنج میں داخل ہوئے۔

انگریز چلا گیا لیکن یہ کالے انگریزوں کی بیوروکریسی اس قوم کے سر پہ مسلّط ہے۔ نالائقی، بدتمیزی، رعونت اور کرپشن کا ہر محکمہ میں دور دورہ ہے۔ کہیں پر بھی کوئی کام بغیر سفارش یا مٹھی گرم کئے نہیں ہوتا جن لوگوں کو قوم کا خادم ہونا چاہیئے تھا وہ قوم کے مخدوم بنے ہوئے ہیں اور قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کرپشن کو روکنے کیلئے انٹی کرپشن محکمہ موجود ہے جو خود کرپشن میں مبتلا ہے۔ اب انٹی کرپشن محکمہ کے کرپشن کو روکنے کے لئے ایک اور انٹی انٹی کرپشن محکمہ ہو اور پھر اس کی کرپشن روکنے کے لئے ایک اور۔ ایک اور۔ ایک اور۔ اور اس طرح یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکے گا۔ جب تک کہ لوگوں کے قلب میں ایمانیات کے عمل کی آبیاری نہ ہو۔ جب تک اُن میں یہ یقین پیدا نہ ہو کہ انہیں مر کر ایک بار اور جی اٹھنا ہے اور اس دنیا میں کئے گئے اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ جہاں نیک عمل کی جزا اور برائیوں کی سزا ملے گی اور اس سے کوئی نہ بچ سکے گا، دُنیا میں پیسہ اور سفارش سے چھوٹ سکتے ہیں

لیکن وہاں یہ نہیں چلے گا - بُرے کاموں کی سزا مل کر رہے گی ـــــ اگر آج یہ یقین پیدا ہو جائے تو مجال ہے کہ برائیاں سر اٹھا سکیں، کرپشن اپنے جھنڈے گاڑ سکے لیکن افسوس کہ "اسلام" کا نام تو بہت لیا جاتا ہے لیکن اس اصل کام کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا - اس ملک میں اسلام کو ایک سیاسی نعرہ تو بنا دیا گیا ہے لیکن اسلام اپنے برپا کرنے والوں سے جن Pre-requisits ابتدائی تیاریوں کا مطالبہ کرتا ہے وہ ناپید ہیں یا ناپید کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ "اس میں لگتی ہے محنت زیادہ" ـــــ اور اس کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے جتنے بلند بانگ نعرے لگ رہے ہیں اتنا ہی ہم پستی میں گرتے چلے جا رہے ہیں ـــــ ضرورت ہے تجدید ایمان کی تحریک کی، توبہ کی منادی کی تجدید عہد کے توثیق کی ـــــ "اسلامی سیاست" کے بازاروں میں رجل رشید ہے جو سُنے ـــــ !!

کسٹم امگریشن وغیرہ کی منازلِ ہفت خواں طے کرنے کے بعد جب ہم لاونج میں پہنچے تو کچھ سکون کا سانس لیا - لاونج مسافروں سے بھرا ہوا تھا - ہم بھی ایک کونے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے - عبدالصمد صاحب کے سیکرٹری رفعت صاحب نے کہا تھا کہ ایرپورٹ پر نہ صرف اُن کی کمپنی کی جانب سے مختلف کاموں میں ہماری مدد کرنے کے لئے کچھ لوگ موجود ہوں گے (جو کہ موجود نہ تھے -) بلکہ انہوں نے دو حضرات کے نام بھی بتائے تھے جو عبدالصمد صاحب کے مدعوئین میں سے تھے اور انہیں بھی اسی فلائٹ سے بمبئی ہوتے ہوئے مدراس پہنچنا تھا - رفعت صاحب ایک روز قبل مدراس روانہ ہو چکے تھے - انہوں نے کہا تھا کہ ان دو حضرات سے ملاقات کر لینا - سفر میں ساتھ رہے گا اور یہ حضرات ڈاکٹر صاحب کا ہر طرح کا خیال رکھیں گے ـــــ ڈاکٹر صاحب کو ایک کرسی پر بٹھا کر میں نے لاونج میں ان حضرات کو دیکھنا شروع کیا - میں صرف نام سے واقف تھا صورت آشنا نہ تھا - اس وجہ سے دقت ہوئی - میں نے سوچا کہ شاید ڈاڑھی اور شیروانی کی وجہ سے یہ حضرات مجھ کو پہچان کر مجھ سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں معلوم کریں - لیکن لاونج میں مجمع اس قدر تھا کہ یہ ممکن نہ ہو سکا - اور پھر شیروانی اور داڑھی والا یہاں میں اکیلا

تو نہ تھا۔ چاروں طرف نظر مار کر جب میں اپنی سیٹ پر واپس آیا تو دُور سے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی محترمہ بیٹھی ڈاکٹر صاحب سے مصروفِ گفتگو ہیں۔ ٹیلی ویژن کی وجہ سے وہ ڈاکٹر صاحب کو پہچان گئیں اور کچھ دینی مسائل پر تبادلۂ خیال کے لئے ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گئیں ایسے موقعہ پر ڈاکٹر صاحب کو الجھن تو ہوتی ہی ہو گی لیکن کیا کریں کوئی مسئلہ پوچھنے بیٹھ جائے تو جائے رفتن نہ پائے ماندن والی کیفیت ہوتی ہے اور جواب دینا ہی پڑتا ہے — کچھ یہی کیفیت اس وقت ڈاکٹر صاحب کی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہوا اور ہم اپنا دستی سامان لے کر جہاز کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ PIA کی ایر بس تھی۔ ڈاکٹر صاحب کھڑکی کے قریب کی نشست پسند کرتے ہیں چنانچہ وہ اس پر تشریف فرما ہوئے اور میں اُن کے برابر کی نشست پر۔ پرواز کا وقت صبح سات بجے تھا لیکن کچھ تاخیر ہو گئی تھی — ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سفر و حضر دونوں ہی مفید رہتے ہیں اور سفر خاص طور پر کہ اس میں سکون سے مختلف مسائل پر بات چیت کا موقعہ مل جاتا ہے اور میں اس وقت کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایر بس بمبئی کی جانب محوِ پرواز تھی اور ہم گفتگو میں مصروف۔ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت پلک جھپکتے جیسے گذر گیا۔ راستہ میں بتایا گیا کہ ہم اپنی گھڑیوں کا وقت ہندوستان کے اسٹنڈرڈ ٹائم کے مطابق کر لیں یعنی نصف گھنٹہ پیچھے — میں نے تو اپنی گھڑی کا وقت ہندوستان کے وقت کے مطابق کر لیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے نہیں کیا فرمانے لگے کہ میں اپنی گھڑی کا وقت پاکستانی وقت کے مطابق ہی رکھوں گا — مجھے پہلے تو ڈاکٹر صاحب کی "پاکستانیت" پر رشک آیا لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ چونکہ اُن کی گھڑی DIGITAL ہے اور اس میں وقت کے آگے پیچھے کرنے کی تکنیک سے ڈاکٹر صاحب پوری طرح واقف نہیں اس لئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب آگے میں کیا کہوں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ بہر حال ان چیزوں میں موصوف اپنے بڑے صاحبزادے عارف رشید سلمہٗ کے محتاج ہیں — اب بات آ ہی گئی ہے تو سن لیجئے آپ سے کیا پردہ کہ ڈاکٹر صاحب کا ڈرائیونگ تو بہت عمدہ

کرتے ہیں — بہت عمدہ ہی نہیں بلکہ بہت ہی عمدہ (اس بہت ہی عمدہ میں Mechanism ڈرائیونگ بھی شامل ہے!) لیکن کار کی Rack سے ذرہ برابر واقف نہیں، حد تو یہ ہے کہ زندگی میں آج تک کار کا ٹائر تک تبدیل نہیں کیا۔ اگر ٹائر پنکچر ہو جائے تو گاڑی سڑک کے ایک طرف کھڑی کر کے گھر فون کر کے کسی بچے کو بلا لیں گے یا یونہی واپس چلے آئیں گے اور اپنے صاحبزادوں عارف رشید سلمہٗ یا عاکف سعید سلمہٗ سے فرمائیں گے کہ گاڑی فلاں جگہ کھڑی ہے، جاؤ وہاں سے لے آؤ۔ صاحبزادے سمجھ جائیں گے کہ ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔

یہ پی۔ آئی۔ اے۔ بھی خوب ہے۔ بعض لوگ اس پر اس لئے ناک بھوں چڑھاتے ہیں کہ لوجی سرکاری زبان اُردو ہے اور نام رکھا ہے ہوائی کمپنی کا انگریزی میں۔ اور وہ بھی پی۔ آئی۔ اے۔ یعنی اُردو میں پی آئیے۔ جیسے کھا آئیے۔ ہمارے ہاں کے ایک مشہور ادیب نے اپنے ایک تصوراتی ملک "اقبالستان" کی ہوائی کمپنی کا نام رکھا تھا "بالِ جبریل"۔ "اقبالستان" کے لئے کچھ اور نام بھی انہوں نے تجویز کئے تھے۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے آپ بھی سن ہی لیجئے۔ ریڈیو اسٹیشن کا نام "ارمغانِ حجاز" جماعتی و ثقافتی زندگی میں رہنمائی کرنے والے محکمہ کا نام "اسرار و رموز" مملکت کے صدر مقام کا نام "خودی آباد" اور حکومت کے سربراہ کا لقب "صاحبِ جنوں" — کہئے طبیعت خوش ہو گئی!

۱۰ جنوری کی یہ سہانی صبح تھی کہ ہم بمبئی کے انٹرنیشنل ایرپورٹ کی شاندار عمارت میں داخل ہوئے۔ کراچی ایرپورٹ پر جو بدنظمی ہم نے دیکھی یہاں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر بات میں نظم تھا ہر چیز میں ترتیب تھی۔ EMBAR-KATION CARD طیارہ میں ہی تقسیم کر دیئے تھے جو ہم نے وہیں پُر کر لئے تھے ہوائی اڈہ کے ہال کے دروازہ پر ہمیں فارم دیئے گئے جو ہمیں پُر کر کے دینے تھے۔ فارم تقسیم کرنے والے کارکن ہی مسافروں کی رہنمائی کر رہے تھے کہ انہیں کس کاؤنٹر پر جانا ہے۔ میں نے اپنے اور ڈاکٹر صاحبہ کے فارم جلدی جلدی پُر کئے۔ اتنے میں ایک مسافر خاتون آ گئیں کہ ان کا فارم پُر کر دیں۔ اُن کا فارم پُر کیا۔ پھر دوسری پھر تیسری۔ اب آخر کس کو منع کیا جاتے۔ ہم تو ہوائی اڈہ کی عمارت میں اس وجہ سے جلدی

داخل ہوئے کہ رسمی کارروائیوں سے جلد نبٹ جائیں گے لیکن یہاں تو ہم فارم بھرنے والے منشی بن کر بیٹھ گئے آخر کو میں تو قطار میں لگ گیا اور یہ "خدمتِ خلق" ڈاکٹر صاحب نے سنبھال لی۔

ایک لڑکا کھڑا تھا جو ہر مسافر سے پوچھتا تھا کہ بادام پستہ چلغوزہ کچھ ہے۔ ہم سے بھی پوچھا۔ ہمارے پاس کہاں تھا۔ امیگریشن سے فارغ ہو کر کسٹم کی طرف چل دیئے۔ ہر مسافر کو پرچی مل جاتی تھی جس پر نمبر لکھا ہوتا تھا کہ فلاں کاؤنٹر پر جانا ہے۔ چنانچہ ہم اپنی پرچی کے مطابق سامان لے کر متعلقہ کاؤنٹر پہ پہنچے۔ کسٹم انسپکٹر نے ایک نظر ڈاکٹر صاحب کو اور مجھے دیکھا۔ پوچھا کچھ ہے۔ ہم نے کہا کچھ نہیں۔ کپڑے اور استعمال کی چیزیں ہیں۔ اُس نے بغیر سامان کھلوائے لے جانے کی اجازت دیدی۔ اس طرح ہم جلد فارغ ہو کر باہر آ گئے۔

اب ہم ایک نئے مرحلے سے دوچار ہوئے۔ رفعت صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ انہوں نے انتظام کر دیا ہے۔ بمبئی ایرپورٹ پر ہمیں Receive کرنے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ مدراس جانے والے دو حضرات جو ہمارے ہم سفر ہیں ہماری ہر طرح کی مدد کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب کا تو لاہور سے مدراس اور واپسی کا مکمل ٹکٹ تھا لیکن میرا ٹکٹ لاہور سے بمبئی اور واپسی کا ملا تھا۔ بمبئی / مدراس / بمبئی سیکٹر کا نہیں تھا۔ اس کے لئے رفعت صاحب نے کہا تھا کہ جو صاحب ہمیں لینے بمبئی ایرپورٹ پر آئیں گے وہی یہ ٹکٹ بھی دیدیں گے۔

ہم یہ سوچتے ہوئے ایرپورٹ بلڈنگ کے باہر نکلے کہ بس گیٹ سے باہر نکلتے ہی "سلام علیکم" "وعلیکم السلام" ہو جائے گی لیکن کوئی دُور دُور تک نظر نہ آیا۔ کھڑے کھڑے تھوڑی دیر انتظار بھی کیا کہ شاید تاخیر ہو گئی ہو بس پہنچنے والے ہی ہوں اور آتے ہی معذرت کریں گے اور سامان اپنی گاڑی میں رکھتے ہوئے ہم سے کہیں گے کہ، غریب خانہ پر تشریف لے چلئے۔ نصف گھنٹہ گذر گیا، ایک ایک شخص کے سامنے گیا کہ شاید کون پہچان لے اور کہے "اخاہ آپ ہیں جنہیں میں اتنی دیر سے ڈھونڈھ رہا تھا" لیکن دائے حسرت ایسا کہنے والا کوئی نہ ملا — وہ دو صاحبان جنہیں کہا گیا تھا کہ ہمارے ہم سفر ہیں اور ہمارا خیال رکھیں گے ان کے

روئے زیبا کو دیکھنے سے بھی ہم ترس گئے تھے — اب میں تھا اور ڈاکٹر صاحب، دونوں خاموش کھڑے تھے، کبھی میں اُن کو دیکھ لیتا تھا کبھی وہ مجھے، عجیب سی بے چارگی تھی۔ مسافر اپنی اپنی منزل کو جا چکے تھے، بہت سے ٹیکسی والے ہمارے پاس آئے کہ کدھر جانا ہے اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا — اتنے میں دیکھا کہ ایک صاحب اور بھی کھڑے ہیں، یونہی کچھ دُعا سلام سی ہو گئی۔ پوچھا کدھر کا ارادہ ہے کہنے لگے مدراس کا۔ ہم نے کہا ہم بھی مدراس جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے گوجر خان کے ایجنٹ ہیں نام ان کا شیخ رفیق ہے۔ مدراس میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے کی شادی میں شرکت کریں گے بعد ازاں ہانگ کانگ جانے کا ارادہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ صاحب ان دو صاحبان میں سے نہیں تھے جن کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا — بہر حال دو نہ شد سہ شد۔ اُن کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ انہیں مدراس کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ لینا ہے۔ مجھے بھی ٹکٹ کی ضرورت تھی کہ وعدہ کے مطابق یہاں پر کوئی صاحب ابھی تک ٹکٹ لے کر نہیں آئے تھے — رفیق صاحب سے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ Domestic ایرپورٹ (سانتا کروز) چلا جائے۔ جو جو انٹرنیشنل ایرپورٹ سے کئی میل دُور ہے ٹیکسی پکڑی اور وہاں پہنچے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ مدراس کے لئے سیٹ دو تین روز کے بعد مل سکے گی۔ رش بہت زیادہ ہے ڈاکٹر صاحب کی آج شام کی سیٹ کنفرم تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ آج کی سیٹ مل جائے لیکن کام نہ بنا۔ اب کیا کیا جائے؟ سامان کو کہاں کہاں ساتھ لئے پھریں — میں کچھ پریشان جلدی ہو جاتا ہوں۔ ایک بار تو دل میں یہ خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہہ دوں کہ آپ شام کی پرواز سے مدراس چلے جائیے۔ میرے پاس بمبئی سے کراچی واپسی کا ٹکٹ تو ہے میں واپس کراچی چلا جاتا ہوں — پھر مشورہ ہوا کہ رفیق صاحب اور میں کیوں نہ ریل کے ذریعے مدراس چلے جائیں۔ ۳۶ گھنٹہ کا سفر تھا ہم اس کے لئے تیار تھے۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ میں بھی کیوں ہوائی جہاز سے جاؤں، چلو میں بھی تمہارے ساتھ ریل کے ذریعہ ہی چلتا ہوں — مجھے احساس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب یہ میری وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ میں تنہائی محسوس نہ کروں انہیں میرا کتنا خیال تھا! — ابھی یہ باتیں ہو ہی

رہی تھیں کہ ذہن کے کسی گوشہ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا — میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب ہمارے ویزا میں تین مقامات میں سے ایک مقام بمبئی بھی ہے اور عبدالصمد صاحب نے یہاں پر اپنے ایک دوست کا پتہ لکھوایا ہے - کیوں نہ شہر میں اُن کے پاس چلا جائے ، شاید وہ ہماری کچھ مدد کریں — ڈاکٹر صاحب یکدم تیار ہوگئے جیسے کہہ رہے ہوں کہ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا — فوراً ہم نے ٹیکسی پکڑی ، ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتایا اور شہر کی طرف رواں دواں ہوگئے — ٹیکسی ڈرائیور ایک سردار جی تھے - پتہ نہایت آسان تھا ، سڑک کا نام بھی مشہور تھا لیکن سردار جی کو جگہ ہی نہیں مل رہی تھی - نہ جانے کیوں ؟ کیا تو ٹیکسی کا کرایہ بڑھانے کو وہ یہ حرکت فرما رہے تھے یا شاید اُس وقت بارہ بجے کا وقت قریب آرہا تھا اس لئے وہ کسی اور کیفیت میں مبتلا ہوگئے — اگر دوسری بات ہے تو بہرحال یہ ان کی مجبوری تھی اور اس کا الاؤنس انہیں دیا جانا چاہیئے -

ٹیکسیوں کے میٹر یہاں پر ایک روپیہ میل کے حساب سے چلتے ہیں - لیکن ہر ٹیکسی ڈرائیور کے پاس ایک ریٹ کارڈ ہوتا ہے اُس پر ۲/۴۵ روپے کے حساب سے ہر میل کا چارٹ دیا ہوا ہوتا ہے - دس میل کے فاصلہ پر میٹر تو دس روپے بتائے گا لیکن چارٹ میں دس کے سامنے ۲۴/۵۰ لکھے ہوں گے جو ادا کرنے ہوتے ہیں - دراصل پہلے یہاں کرایہ ایک روپیہ میل تھا - اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا اب ہر بار میٹر تبدیل کرانے کی بجائے نئے ریٹ کارڈ دیدیئے جاتے تھے تاکہ اس کے مطابق کرایہ وصول کیا جائے - کافی پھرنے پھرانے کے بعد اور کئی جگہ معلوم کرنے کے بعد ہم منزل مقصود پر پہنچے - یہ دراصل عبدالصمد صاحب کے ایک دوست حاجی عبدالرحیم کا Popular Sola Hat works کے نام سے ایک دفتر تھا جو کرافورڈ مارکیٹ کے عین سامنے کی عمارت میں واقع ہے - خوشی ہوئی کہ چلو دفتر تو ملا اب مشکل آسان ہوجائے گی - ٹیکسی سے سامان اتار کر اور اُس کا حساب چکا کر ڈاکٹر صاحب اور رفیق صاحب تو فٹ پاتھ پر کھڑے رہے اور میں پہلی منزل پر اُن کے دفتر میں گیا - جو صاحب سامنے بیٹھے تھے غالباً دفتر کے منیجر تھے انہوں نے بتایا کہ حاجی صاحب تو بنگلور گئے ہیں - یہ کہہ کر وہ پھر

اپنے کام میں مصروف ہوگئے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ میں نے کہا کہ ہم کراچی سے آئے ہیں مدراس جانا ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایرپورٹ پر کوئی صاحب آئیں گے اور مدراس کا میرا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دیں گے ٹکٹ آپکے پاس تو نہیں ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا زحمت نہ ہو تو میں اپنے ساتھیوں کو نیچے سے بُلالوں۔ اور یہ سُنے بغیر کہ وہ ہاں کہتے ہیں یا نہیں، میں تیر کی طرح نیچے گیا۔ ساری صورتحال ڈاکٹر صاحب کو بتائی۔ طے ہوا کہ سامان تو ہم اُوپر رکھ دیں اسے کہاں کہاں لئے پھریں اور پھر چیک کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سامان لے کر ہم اُوپر پہنچ گئے۔ ایک کونے میں سامان رکھا۔ میں نے اُن صاحب سے کہا کہ یہاں پر عبدالصمد صاحب کا کوئی اور دوست بھی ایسا ہوسکتا ہے جن کے پاس میرا ٹکٹ ہو۔ کہنے لگے کہ دراصل ہمارے اُن سے تجارتی تعلقات کم ہیں۔ ایک فرم اور ہے جن کے ہاں اُن کا مال زیادہ آتا ہے اُن سے معلوم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون کیا۔ آخر قدرت کو مجھ پر رحم آہی گیا۔ پتہ چلا کہ ٹکٹ موجود ہے اور اُن کے پاس ہے۔ تنِ مردہ میں جیسے جان آگئی ہو یا ع جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے۔ بہرحال اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ رفیق صاحب کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ میں ریلوے کی برتھ کی کوشش کرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر وہ بھی نہ ملے۔

کرافورڈ مارکیٹ کے قریب ہی محمد علی روڈ پر John Barrel کے نام سے جوتوں کی ایک بڑی دوکان ہے۔ میرا ٹکٹ وہیں پر تھا۔ میں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ وہاں جاکر اپنا ٹکٹ حاصل کیا۔ آج شام کی پرواز سے سیٹ کنفرم تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ واپس آکر ڈاکٹر صاحب اور میں کھانا کھانے چلے گئے۔ سامنے ہی ایک ہوٹل تھا۔ اس میں بہت رش تھا۔ ہم بھی جاکر بیٹھ گئے۔ سوچا کیا منگایا جائے۔ بھوک بھی شدّت سے لگ رہی تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے سامنے تھال آرہے ہیں۔ ہم نے بھی دو تھال کا آرڈر دیا۔ ہوٹل کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔ ہر کام کے لئے الگ لڑکے مقرّر تھے۔ جو مستعدی سے اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ ہر میز کے گرد چار نشستیں تھیں۔ کچھ لڑکے صرف پانی کے لئے تھے۔ ہر میز پر ہر وقت چار گلاس بھرے

ہوئے موجود رہتے تھے - کچھ لڑکے صفائی کے لئے - اِدھر لوگ کھانا کھا کر اٹھے اُدھر صفائی والے لڑکوں نے آکر برتن اٹھا کر میز صاف کی - آرڈر کی تعمیل کیلئے الگ لڑکے تھے - اِدھر آرڈر دیا - اُدھر حاضر - کیا مجال کہ ذرا دیر ہو جائے - ہوٹل کے انتظامات دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی - معلوم ہوا کہ کسی ہندو کا ہوٹل ہے - اب یہاں پر ہوٹلوں میں ہندو مسلمان کی کوئی تمیز نہیں ہے — تھال ہمارے سامنے آگئی - کچھ پوریاں تھیں اور پانچ چھ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں مختلف سبزیاں، دالیں رائتہ اور میٹھا وغیرہ تھا - اچار اور چٹنی الگ - اِدھر پوریاں ختم ہوئیں اُدھر چاولوں کی پلیٹ لاکر رکھ دی گئی - جو لوگ چاول نہیں کھاتے وہ اس کی جگہ مزید پوریاں لے سکتے ہیں — خوب سیر ہو کر کھانا کھایا چائے پی - حساب چکایا اور باہر آگئے - ایک بات یہ دیکھی کہ برتن اٹھاتے وقت بیرا تھال میں خالی پیالیوں اور چمچوں کی تعداد گن لیتا ہے ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی صاحب ایک آدھ پیالی یا چمچہ جیب میں ڈال کر لے گئے ہوں — قریب ہی مسجد تھی جہاں جا کر ظہر اور عصر کی ملا کر نماز ادا کی — اور وہیں دس پندرہ منٹ آرام کیا —

ہماری روانگی رات کو ساڑھے آٹھ کی فلائٹ سے تھی اس وقت کوئی تین بجے تھے سوچا کہ اب اس وقت کا مصرف نکالا جائے — ڈاکٹر صاحب کے پاس یوسف پٹیل صاحب کا پتہ تھا جن سے اُن کی دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ملاقات ہوئی تھی - شمس پیرزادہ صاحب (سابق امیر جماعت اسلامی بمبئی) کا بھی پتہ تھا - سوچا پہلے یوسف پٹیل صاحب سے مل لیا جائے پتہ معلوم کرتے کرتے مین پاڑہ میں اُن کے گھر پہنچے جو زیادہ دُور نہ تھا - وہ گھر پر موجود تھے — چائے سے تواضع کی - بہت محبت سے پیش آئے — ان سے معلوم ہوا کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب آج کل بمبئی آئے ہوئے ہیں - ڈاکٹر صاحب کو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی - اُن سے ملاقات کا اشتیاق تھا - کیا معلوم تھا کہ بمبئی ہی میں ملاقات ہو جائے گی - یوسف پٹیل صاحب کے ساتھ ٹیکسی میں مولانا علی میاں صاحب کی قیام گاہ پہنچے - موصوف نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے - ڈاکٹر صاحب

کو آتے دیکھ کر حیران سے رہ گئے - فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب میں واقعی آپکو دیکھ رہا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں - ڈاکٹر صاحب کو محبت سے اپنے قریب بٹھایا پاکستان کے حالات معلوم کئے، مختلف مسائل پہ بات چیت کی - اس خاکسار سے بھی نہایت شفقت سے پیش آئے - مولانا علی میاں صاحب کی محفل سے دل اٹھنے کو تو نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ہمیں ایرپورٹ پہنچنا تھا اس لئے اُن سے اجازت طلب کی - مولانا علی میاں صاحب کے پاس دس بارہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے - یہیں پر نورالدین آزاد صاحب اور الحاج اکبر خان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے وعدہ لیا کہ واپسی پر ڈاکٹر صاحب چند روز بمبئی میں قیام فرمائیں تاکہ اُن سے مستفید ہوا جا سکے - اب اتنا وقت تو نہ تھا کہ شمس پیرزادہ صاحب سے بھی ملاقات کی جا سکتی اس لئے دفتر سے اپنا سامان لے کر اور یوسف پٹیل صاحب کو خدا حافظ کہہ کر ہم ایرپورٹ پہنچ گئے -

یہ بمبئی کا Domestic Air Port تھا - بورڈنگ کارڈ حاصل کیا - مدراس کے لئے پرواز تیار تھی - انڈین ایر لائنز کارپوریشن کی ایربس ۱۰۱ - میں ہم نے اپنی نشست سنبھالی آٹھ بج کر چالیس منٹ پر طیارہ نے پرواز کی اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد یعنی سوا دس بجے ہم مدراس کے ہوائی اڈہ پر تھے - واضح رہے کہ ایکسپریس ٹرین سے یہی سفر چھتیس گھنٹے میں طے ہوتا ہے -

لاؤنج میں آنے کے بعد ہم نے باہر نگاہ دوڑائی کہ کوئی شناسا نظر آجائے - ہمیں یہاں تو کراچی اور بمبئی ایرپورٹ جیسی اُمید نہ تھی لیکن کوئی بھی ایسا نظر نہ آیا جو ڈاکٹر صاحب یا میری طرف دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کر دیتا - اب یہاں بھی کوئی نہیں آیا تو ہم کہاں جائیں گے دل کو تسلی ہوئی کہ پتہ تو ہمارے پاس موجود ہے - ٹیکسی کر کے پہنچ جائیں گے ـــ میں سامان کے انتظار میں تھا - ڈاکٹر صاحب کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کو جا لیا ہے - عبدالصمد صاحب، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب اور اُن کے چند دوسرے دوست و احباب قطار اندر قطار وہاں موجود تھے - رفعت صاحب جو رات ہی کراچی سے یہاں پہنچے تھے وہ بھی آئے ہوئے تھے - ڈاکٹر صاحب

نے عبدالصمد صاحب سے فرمایا بھی کہ آپ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے ۔ گھر پر بہت سے مہمان آئے ہوئے ہوں گے ۔ آپ نے یہاں آنے کی کیوں زحمت فرمائی، دوسرے احباب کے ساتھ ہم پہنچ ہی جاتے ۔ لیکن وہ سراپا تواضع انکساری کا مظہر تھے ۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے شہر کی دہلیز پر قدم رکھیں اور میں استقبال کے لئے نہ آؤں ۔ !! مدراس کے ایرپورٹ پر ہماری اُن دو حضرات سے بھی ملاقات ہوئی جن کے دیدار کو کراچی اور بمبئی ایرپورٹ پر آنکھیں ترس رہی تھیں ۔ اُن میں ایک صاحب تھے کراچی کی ایک بڑی ایڈورٹائزنگ فرم SASA کے منیجنگ ڈائریکٹر شہزادہ صاحب اور دوسرے تھے کراچی کے مشہور پرنٹنگ پریس الائٹ پبلشرز کے مالک جناب احمد جمیل مرزا ۔

مدراس جتنا بڑا شہر ہم نے سنا تھا اسی لحاظ سے ہمارا اندازہ تھا کہ ایرپورٹ بھی ہوگا لیکن ایرپورٹ دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی ۔ ایرپورٹ کا ہال بہت چھوٹا تھا ۔ بمبئی اور کراچی کے ایرپورٹ سے اس کی نسبت ایسے تھی جیسے شہر اور قصبہ کی ۔ اس سے تو لاہور کا ایرپورٹ کہیں بڑا ہے ۔

ایرپورٹ سے ہم سیدھے تاج ہوٹل پہنچے جہاں پر مہمانوں کے لئے طعام وغیرہ کا انتظام تھا ۔ یہ دراصل ایک طرح کا شادی ہال ہے مہمانوں کے طعام کے انتظامات یہیں پر رکھے گئے تھے ۔ مہمان کثیر تعداد میں آئے تھے ۔ مکانوں میں جتنی گنجائش تھی قریبی رشتہ دار وہاں ٹھیرائے گئے ۔ دوسروں کے لئے مختلف ہوٹلوں میں کمروں کا ریزرویشن کرالیا گیا تھا ۔ ہمارے لئے مدراس کے ایک اعلیٰ ہوٹل Atlantic Hotel کے ایرکنڈیشنر ڈی لکس کمرہ میں ٹھیرانے کا انتظام کیا گیا تھا ۔ تاج ہوٹل سے کھانا کھا کر ہم فارغ ہوئے تو ہمیں اٹلانٹک ہوٹل پہنچادیا گیا ۔ ہمارا کمرہ پانچویں منزل پر تھا ۔ جب ہم نے کمرہ میں پہنچے تو بارہ بج چکے تھے ۔ اور ۱۱ جنوری شروع ہو چکی تھی ۔

صبح سو کر اٹھے ۔ کمرہ ہی میں نماز باجماعت ادا کی ۔ پانچویں منزل کے کمرہ کی بالکونی سے جب شہر کی جانب نگاہ ڈالی تو منظر نہایت حسین نظر آیا ۔ یہاں پر بمبئی اور کراچی جیسی اونچی اونچی عمارات نہیں ہیں ۔ ناشتہ کے لئے

بیرے کو بلایا۔ اُس سے ناشتہ کے بارے میں معلوم کیا کہ کیا کچھ ہے۔ اب جو اُس نے بتایا وہ ہماری سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہاں پر تامل زبان بولی جاتی ہے۔ اور ہم اس سے ناواقف — زبان یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم خیر سے بیرا انگریزی تھوڑا بہت سمجھ لیتا تھا چنانچہ اُس نے کہا جو ہے سو لے آؤ — ساتھ میں کافی کو کہہ دیا۔ کافی تو ہم سمجھ گئے لیکن باقی چیزیں نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہیں کیوں ہیں اور کیسے ہیں۔ سب مدراسی کھانے تھے۔ ہوٹل Vegetarian تھا اس لئے کھانے بھی اسی طرح کے تھے۔ ناشتہ میں جو چیزیں تھیں اُن کا تلفظ کچھ یوں یاد رہ گیا اٹلی۔ ڈوسا۔ سب چیزیں پھیکی پھیکی سی تھیں اب آئی تھیں تو کھالی گئیں لیکن ہم جیسے مصالحہ دار کھانا کھانے والوں کو کچھ مزہ نہیں آیا میٹھا منگایا تو گلاب جامن لے آیا۔ بہر حال کافی پی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

دس بجے امپریل ہوٹل میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے امتیاز صاحب کا نکاح تھا۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے ساتھ ہم امپریل ہوٹل پہنچے۔ کافی وسیع پنڈال تھا۔ سامنے اسٹیج پر کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر دولہا اور اُس کے قریبی اعزّاء اور دلہن کے اعزّاء خاندان کے بڑے اور چند سربرآوردہ حضرات تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی نشست بھی اسٹیج پر تھی۔

مکان حضرت قطب ویلور کے سجّادہ نشین حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سیّد شاہ محمّد باقر صاحب نے نکاح پڑھایا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسلام کے معاشرتی نظام میں نکاح کی اہمیّت پر مختصر تقریر فرمائی جو بہت پسند کی گئی۔ بہت سے حضرات کا کہنا تھا کہ ایسی باتیں تو انہوں نے زندگی میں پہلی بار سُنی ہیں۔ کچھ غیر مسلم بھی تھے۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے متاثر تھے شادی کے ہنگامہ میں ڈاکٹر صاحب نے مختصر تقریر کی جو نصف گھنٹہ سے بھی کم تھی لیکن نہایت چبھی تلی اور موثر۔ مدراس میں بارش کا یہ پہلا چھینٹا تھا۔ نکاح کے بعد لوگ ڈاکٹر صاحب سے نہایت تپاک سے ملے۔ ہر کوئی اُن کی تقریر کی تعریف کر رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا تفصیل

سے تعارف بھی کرادیا ۔

نکاح کے بعد کھانے کا اہتمام تھا ۔ کھانے سے قبل اور بعد بھی بہت سے حضرات ڈاکٹر صاحب سے گفتگو کرتے رہے ۔

دوپہر سے شام تک ہم اپنے ہوٹل میں رہے اور آرام کرتے رہے ۔ رات کا کھانا تاج ہوٹل میں کھایا یہاں پر بھی لوگ ڈاکٹر صاحب سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے ۔

رات گئے ہم واپس اپنے ہوٹل آگئے ۔ اور صبح تک چین کی نیند سوئے ۔

۱۲ جنوری ۸۱ء ناشتہ میں آج پھر وہی مسئلہ درپیش تھا ۔ آج ہم نے ٹوسٹ جام اور بٹر منگوایا ۔ کافی پی اور آرام کیا ۔ سی آئی ڈی ۔ آفس میں ہمیں اپنی مدراس آمد کی رپورٹ لکھوانی تھی ۔ چنانچہ ہمارے پاسپورٹ اور ویزے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے اپنے ایک رفیق کار عظیم صاحب کو دیدئے جنہوں نے C I D آفس جاکر رپورٹ درج کروادی ۔

ہندوستانی سفارتخانہ ہندوستان میں تین جگہوں سے زیادہ کا ویزا نہیں دیتا شاید یہی معاملہ پاکستان کے لئے بھی ہے ۔ دنیا کے تمام ممالک میں ویزا پورے ملک کے لئے ہوتا ہے کہ جہاں چاہو جاؤ لیکن ہندوستان و پاکستان کیلئے ہی یہ مخصوص ہے کہ یہاں ویزا ملک کی بنیاد پر نہیں بلکہ شہروں کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور تین مقامات سے زیادہ کا ویزا نہیں ملتا ۔ عبدالصمد صاحب نے ہمارے لئے جو تین مقامات لکھوائے وہ مدراس بمبئی اور آمبور تھے ۔ آمبور مدراس سے کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر مسلمانوں کا ایک بڑا قصبہ ہے ۔

دس بجے کے قریب ایک نوجوان باسط صاحب جو پرسوں رات ہمیں ہوٹل میں داخل کرکے گئے تھے ۔ تشریف لائے ۔ آتے ہی کہنے لگے کہ تیار ہو جاؤ ۔ ہم نے پوچھا کہاں کیلئے ؟ کہنے لگے کہ مدراس کے اہم مقامات کی سیر کرانا ہے ۔ نیچے ویگن کھڑی ہے کراچی سے آئے ہوئے اور لوگ بھی موجود ہیں ۔ ہم جلدی سے تیار ہوکر اُن کے ساتھ چل دیئے ۔ ویگن میں کراچی کے رفعت صاحب چوہدری صاحب اور رحمٰن صاحب (ان سب کا تعلق

پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز سے ہے) سے ملاقات ہوئی ۔ سب سے پہلے مدراس کا میوزیم دیکھا ۔ پھر اسٹرلنگ روڈ ہوتے ہوئے ایک یادگار سے گذرے معلوم ہوا کہ یہ یہاں کے مشہور شاعر ٹیولر کاٹون کی یادگار ہے ۔ بوڑم بالکم پل سے گذرے ۔ وجے ہسپتال کی شاندار عمارت دیکھی ۔ عثمان روڈ، ماؤنٹ روڈ ہوتے ہوئے چڑیا گھر (Zoo) دیکھنے گئے ۔ راستہ میں ایک بازار میں رُکے جہاں ہمارے ساتھی معلوم ہوا کہ یہاں کی ایک دوکان میں ساڑھیاں دیکھنے گئے بہت مشہور دوکان ہے بتایا گیا کہ اس کی روزانہ کی فروخت لاکھوں روپے کی ہوتی ہے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے ۔ اور لوگ بغیر کچھ خریدے خالی ہاتھ گاڑی میں واپس آگئے ۔ راستہ میں ایک جگہ رُک کر کچے ناریل تڑوا کر جی بھر کر اس کا پانی پیا ۔

اس کے بعد ہمارے دوست باسط صاحب ہمیں Woodland Drive Inn ریسٹورینٹ لے گئے ۔ جہاں انہوں نے ہماری بہت ہی خاطر تواضع کی ۔ اس ہوٹل میں قسم قسم کے جتنے بھی مدراسی کھانے تھے ایک ایک کر کے سب ہی منگوا لیے گئے اُن کا اصرار ہوتا تھا کہ کھاؤ اور خوب کھاؤ ۔

ان میں بعض کھانے تو واقعی بہت لذیذ تھے ۔ میرا اندازہ ہے کہ درجن بھر سے زیادہ کھانے منگوائے گئے ہوں گے ہم بارہ افراد تھے ۔ بل جب آیا تو کُل ایک سو چھ روپے کا تھا ہم حیران تھے ۔ میرا خیال تھا ڈھائی تین سو روپے سے کم کا بل نہیں ہوگا ۔ جو کھانے یاد رہ گئے وہ یہ ہیں : بونڈا ۔ دوسا چولا پٹورا ۔ مصالحہ ڈوسا اور بریڈ پیس مصالحہ وغیرہ — باسط صاحب ڈرائیور کو اکثر یہ فقرہ کہتے تھے "نیرا پونگو" "نیرا پونگو" ہم حیران تھے کہ یہ کیا لفظ ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ تامل میں اس کا مطلب ہے "سیدھا چلو" ۔ دو ایک الفاظ اور یاد رہ گئے ۔ "اینگوا" یعنی آؤ ۔ "سورسا پٹیا" یعنی کھانا لاؤ ۔ اس طرح اپنے مطلب کے کچھ الفاظ ہم نے سیکھ لئے ۔ کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائیور کو حکم ہوا کہ ساحل سمندر MARINA BEACH چلے ۔ وہاں کا منظر ہمیں بہت پسند آیا ۔ ساحل سمندر کے کنارے مدراس یونیورسٹی کی عمارتیں تھیں اور ساحل سمندر پر خوبصورت تفریح گاہیں بنی ہوئی تھیں ۔ معلوم ہوا کہ مدراس کا ساحل انڈو پاکستان کا سب سے

خوبصورت ساحل ہے — یہاں کا منظر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بھی بہت متاثر تھے کہنے لگے کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ مدراس میں آئے ہیں — یہاں پر بُت (Statues) یوں تو عام ہیں کہ ہر چوراہے پر کسی نہ کسی کا بُت ملے گا کیونکہ ہندو قوم میں Hero worship کا مادّہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے لیکن ساحلِ سمندر پر تھوڑی دُور پر بُت بنے ہوئے ہیں جو ہندوؤں کی مشہور شخصیتوں کے ہیں - ساحل سمندر ہی کے کنارے ANNA SQUARE ہے - بہت ہی خوبصورت بنایا ہے - انّا، کا ہیرو ہے - ٹامل ناڈو کی تحریک کا بانی وہی تھا - ٹامل ناڈو کا الگ صوبہ اُس نے بنوایا تھا - اور اُس کے بعد یہاں کا وزیرِ اعظم مقرر ہوا تھا - سنا ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھا - یہ اُس کی یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے - اُس کی یادگار پر جوتے اتار کر جانا ہوتا ہے باسط صاحب نے بتایا کہ ساحل سمندر کا حسین منظر تو رات کا ہوتا ہے — اپنے قیام مدراس کے دوران کئی بار ارادہ کیا کہ رات کو وہاں کا منظر دیکھا جائے مگر مصروفیات کی وجہ سے اس کا موقعہ نہ مِل سکا - اور یہ حسرت باقی رہ گئی !

سیر سپاٹے کے بعد کوئی چار بجے ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچے تھکن کافی تھی۔ آتے ہی بستر پر گر گئے -

رات کو امتیاز صاحب کا ولیمہ تھا - مغرب کے قریب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ہمیں لینے آگئے - انہیں ڈاکٹر صاحب سے بڑی محبت ہے - پریکٹس کے اوقات تک میں یہاں آجاتے ہیں - اُن کا بس چلے تو ڈاکٹر صاحب کے پاس سے ہلیں تک نہیں -

(جاری ہے)

اعتذار

گذشتہ شمارے کے صفحہ ۹۹ پر غلطی رہ گئی - سوال ۸ اور ۹ میں سورہ نور کی آیت ۳۱ کے جس لفظ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ "اٰبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ" ہے غلطی سے "اٰباتن" لکھا گیا ہے - اللہ تعالےٰ اس غلطی پر معاف فرمائے - ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس کو درست کرلیں -

فہرست تصانیف

ڈاکٹر اسرار احمد

★ تحریکِ جماعتِ اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ	۹/- روپے
★ مطالباتِ دین	۶/- "
★ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ: کرنے کا اصل کام	۱/- "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت	۳/- "
★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں	۲/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)	۳/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)	۴/- "
★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)	۵/- "
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اوّل } یکجا	۸/- "
★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم	
★ قرآن اور امنِ عالم	-/۷۵ "
★ راہِ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں	۲/- "
★ علّامہ اقبال اور ہم	۲/- "
★ عظمتِ صوم	۱/- "
★ دعوت الی اللہ	۱/- "
★ آیتُ الکرسی	-/۳۰ "
★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف	۷/- "
★ شہیدِ مظلوم (شہادتِ حضرت عثمانؓ)	۳/- "

(بقیہ مکتوب امریکہ)

طبیعت پر کافی بوجھ ہوتا ہے - یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہاں جت
Religious Speakers آئے ہیں ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کی تقریر اُن -
سے بہتر رہی ہے -

.M. S. A یہاں کے مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے ا
کے کنونشن میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا - ڈاکٹر صاحب کی اس میں باقاع
تو کوئی تقریر نہیں تھی البتہ ایک روز فجر کے بعد سورہ آل عمران کی تین آی
کا درس دیا جس کا بہت اچھا تاثر رہا -

اِس مرتبہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں Black Muslims کے رہنماؤں سے ب
ملاقاتیں کیں - سب سے بڑا گروپ Bilalians کا ہے جس کا لیڈر علیجاہ
کا بیٹا امام وارث دین محمد ہے - اپنے باپ کے برعکس اس کے عقائد بہت حد ت
درست ہیں اور یہ بتدریج اپنے گروہ کی اصلاح کررہا ہے - یہاں درس کے حلقہ
ایک صاحب کے توسط سے اِن سے ڈاکٹر صاحب کی بڑے اچھے ماحول میں ملاق
ہوئی - اس کے بعد امام صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرکز میں درس
لئے مدعو کیا حالانکہ یہ لوگ عموماً کسی دوسرے فرقہ کے آدمی کو اپنے مر
میں تقریر کیلئے مدعو نہیں کیا کرتے - ڈاکٹر صاحب نے ملاقات کے وقت انہ
اپنے دو کتابچے ("قرآن مجید کے حقوق" اور "راہ نجات" کے انگریزی تراجم
مطالعہ کیلئے دئے تھے - ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر سورہ آل عمران کی چند آی
کا درس دیا - درس کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا کہ اُنھوں نے ڈاکٹر صاح
کے دونوں کتابچے پڑھے ہیں اور اب وہ خود اپنے یہاں انہیں شائع کرائیں گ
اسے یہاں پر ہمارے حلقہ کے لوگوں نے بڑی کامیابی قرار دیا ہے -- ایک دو
گروہ جو اگرچہ تعداد میں کم ہے لیکن بہت زیادہ Violent ہے اس کے ا
شیخ عمر فاروق سے بھی ڈاکٹر صاحب نے ذاتی ملاقات کی - یہ لوگ اپنے آ
کو حنفی مسلمان کہتے ہیں - شیخ صاحب نے بھی ڈاکٹر صاحب کا بہت اکر
کیا اور اپنے بہت سے کتابچے پڑھنے کیلئے دئے - Black Muslim میں کام
وسیع میدان موجود ہے اور ان شاء اللہ اس دورہ کے خوشگوار نتائج نکلیں گے -

شکاگو میں ہمارا پروگرام اللہ کے فضل سے مکمل ہوچکا ہے کل ہم اِن شاء ا
کیلیفورنیا کیلئے روانہ ہوجائیں گے اور ایک ہفتہ کے بعد شکاگو سے ہو
ہوئے ٹورنٹو پہنچیں گے - جہاں سے لندن ہوتے ہوئے ڈاکٹر صاحب اِن شاء ا
۳۰ جون کی دوپہر کراچی اور پی- آئی- اے کی پرواز سے رات کو دس بجے لاہو
پہنچ جائیں گے -

شکاگو - ۲ جون ۱۹۸۱ء

عاکف سعید

Regd. L. No. 7360
MONTHLY "MEESAQ" LAHORE
Vol. 30 | JUNE 1981 | No. 6

چلتے چلتے

مکتوب امریکہ ۱

۱۱ اور ۱۲ مئی کی درمیانی شب کو ہم کراچی سے بذریعہ پی-آئی-اے عازم سفر ہوئے - ۱۲ مئی کی شام کو نیو یارک پہنچے - اس وقت وہاں پر عصر کا وقت تھا - تین روز نیو یارک میں قیام کے بعد ۱۶ مئی کو شکاگو پہنچے - ہمارا قیام ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے ہاں ہے جو شکاگو کے مضافات میں (تقریباً تیس میل دور) رہتے ہیں یہ بڑی پرفضا جگہ ہے - ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طبیعت کراچی میں خراب رہی - نیویارک میں بھی ٹھیک نہ تھی - شکاگو آنے کے بعد الحمدللہ بہت بہتر ہے - یہاں پر موصوف کے دروس و خطابات جاری ہیں - جس کی تفصیلی رپورٹ بعد میں دی جائے گی - ان شاء اللہ - کل ۲ جون کو یہاں (شکاگو میں) تنظیم اسلامی کا اجتماع ہوا جس میں عام Invitation تھی - کہ جو لوگ تنظیم میں شامل ہونا چاہیں یا تنظیم کے بارے میں مزید سوال و جواب کے ذریعہ افہام و تفہیم کرنا چاہیں وہ اس اجتماع میں شرکت کرسکتے تھے - چنانچہ اس دعوت کے جواب میں تیرہ چودہ افراد جمع ہوئے جن میں دو وہ بھی تھے جو پہلے سے تنظیم میں شامل تھے - دو گھنٹے کی نشست کے بعد مزید پانچ افراد نے بیعت کی اور اس طرح اللہ کے فضل سے شکاگو میں رفقائے تنظیم کی کل تعداد سات ہوگئی ہے - ایک ہفتہ بعد جب ہم کیلے فورنیا کے Visit کے بعد واپس شکاگو آئیں گے تو تنظیم کا ایک اجتماع اور ہوگا - اور توقع ہے کہ اس اجتماع میں مزید دو تین حضرات تنظیم میں شامل ہو جائیں گے - ان شاء اللہ - دو روز قبل یہاں انجمن خدام القرآن کا بھی اجلاس ہوا تھا بعض رکاوٹوں کے باعث ابھی تک انجمن کا تشکیلی ڈھانچہ وجود میں نہیں آیا تھا لیکن اس مرتبہ Founder Members کا تعین کر کے قواعد و ضوابط کو آخری شکل دیدی گئی ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی الیکشن کے ذریعہ ورکنگ کمیٹی کی تشکیل ہوجائے گی - موسمین کی تعداد الحمد للہ پندرہ ہے -

یہ اطلاع آپکے لئے دلچسپ ہوگی کہ اس مرتبہ یہاں کے لوگوں کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے درس انگریزی زبان میں دئے ہیں - شروع میں کچھ جھجک تھی لیکن اب الحمد للہ بہت اعتماد اور روانی سے درس دیتے ہیں - البتہ اس سے

(باقی ٹائٹل کے صفحہ ۳ پر)